8

مینار

(مختار مسعود)
(۱۹۲۶ء۔۲۰۱۷ء)



مصنف کا تعارف

مختار مسعود سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے لے کر ایم۔اے تک تعلیم مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے حاصل کی۔ ان کے والد پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے بیس سال مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں اقتصادیات کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود نے تحریک پاکستان میں ایک طالب علم کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ علی گڑھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے سالہا سال وابستہ رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد سول سروس آف پاکستان کے لیے منتخب ہوئے۔ انھوں نے اپنی ملازمت کے دوران میں اعلیٰ ترین سطح پر خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود ایک کثیر المشاغل انسان تھے۔ اُن کی زندگی میں تعلیم، سفر، تحقیق، تصنیف، تقریر، فنونِ لطیفہ، نظامت، معیشت، مالیات اور قانون سبھی کچھ شامل تھا۔

تحریکِ پاکستان میں ایک طالبِ علم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کی وجہ سے ان کی تحریروں میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی بیداری اور تحریکِ آزادی کی تفصیل ہے، جسے انھوں نے ادبی چاشنی کے ساتھ بڑے مؤثر اور دل نشیں انداز میں لکھا ہے۔ آزادی کے بعد جوش اور جذبے کے سرد ہو جانے پر اجتماعی احساسِ زیاں کو جھنجھوڑا ہے۔ ان کے اسلوب میں بلا کی دل کشی ہے۔ اندازِ بیان منفرد ہے۔ عبارت نہایت بامحاورہ اور رواں ہے۔ وہ خود ہی سفر نہیں کرتے بلکہ اپنے قاری کو اپنے تمام جذبوں اور ولولوں کے ساتھ سفر میں شریک رکھتے ہیں۔ وہ سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ تاریخ کی بھی گہری آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ ترقی کوشش اور محنتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو قومیں اس جذبے کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں، کامیابی اُن کا مقدر بنتی ہے اور جب قومیں تن آسان اور جذبوں سے عاری ہو جاتی ہیں تو تاریخ انھیں معاف نہیں کرتی۔ انھیں اپنی غلطیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

اہم تصانیف ''آوازِ دوست''، ''سفر نصیب''، ''لوحِ ایام'' اور ''حرفِ شوق'' زیادہ مشہور ہیں۔

تدریسی مقاصد:

- ☆ تحریکِ پاکستان اور قراردادِ لاہور کے پس منظر کو سمجھنا
- ☆ مینارِ پاکستان کی تاریخی اور قومی اہمیت سے آگاہ ہونا
- ☆ ادبی نثر کے اسلوب اور فکری گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ قومی یادگاروں اور تاریخی مقامات کے احترام اور تحفظ کا شعور حاصل کرنا
- ☆ مختار مسعود کی شخصیت اور ادبی خدمات سے روشناس ہونا

مشکل الفاظ کے معانی

(57) مینار: (بطور یادگار، نمائش یا علامت، مخروطی شکل کی بنی ہوئی عمارت)، قراردادِ پاکستان: (پاکستان کے حصول کے لیے قرارداد جو 23 مارچ 1940 کو لاہور میں منظور کی گئی، پاکستان کے حصول کے لیے ریزولوشن)، مجلسِ تعمیر: (عمارت بنانے کے لیے بنائی گئی کمیٹی کا اجلاس، تعمیراتی کمیٹی کا اجلاس)، نشست: (بیٹھک، مجلس، بیٹھنے کی جگہ)، اراکین: (کسی جماعت یا کمیٹی وغیرہ کے رکن، ارکان، عمائدین)، کارروائی: (عمل، تدبیر، کام ہونا)، شق: (قانونی دفعہ یا ایجنڈا کا حصہ، کارروائی کا زیرِ غور حصہ)، برنارڈ شا: (بیسویں صدی کا آئرلینڈ کا نوبل انعام یافتہ ادیب، ڈرامہ نویس، ناول نگار اور نقاد)، مقولہ: (کسی دانا کی کہی ہوئی بات، قول،

کہاوت، ضرب المثل)، خواہشِ قلبی: (دِلی چاہت، دل کا مدعا یا غرض)، فرضِ منصبی: (عہدے کی ذمہ داری، سپرد کیا گیا کام)، عہدہ: (منصب، مرتبہ، درجہ، ذمہ داری کا مقام)، صدارت: (صدر کا عہدہ، سربراہ ادارہ یا سربراہِ مملکت)، عہدِ وفا: (وفاداری کا وعدہ)، لازم: (فرض، ضروری چیز، یا ضروری کام، واجب)، تعمیر: (عمارت بنانا، عمارت بنانے کا عمل)، تحریک: (حرکت دینے کا عمل، خیال، تصور، ترغیب، اُبھارنے کا عمل)، سنگ وخشت: (اینٹ پتھر، تعمیراتی ساز وسامان وغیرہ)، جہانِ نو: (نئی دنیا، ازسرِ نو بننے والا جہان، جہانِ تازہ)، افکارِ نو: (نئے خیالات، نئے نظریات، نئی سوچ)، تعبیر: (خواب کی تشریح، خواب کا نتیجہ اور حقیقت، خواب کو حقیقت کی شکل دینا)، جلوہ گہِ جبرائیل: (علامہ اقبالؒ نے مسجدِ قرطبہ کے میناروں کو جلوہ گہِ جبرائیل کہا تھا، جبرائیل علیہ السلام کے دیدار کا مقام، وہ مقام جسے جبرائیل علیہ السلام نے اپنی حفاظت میں لے رکھا ہو)، محض: (صرف، سراسر، بالکل)، تعلقِ خاطر: (میلان طبع، دلی لگاؤ، دل کی طرف جھکاؤ ہونا، دل بستگی)، واسطہ سے: (نسبت سے، وجہ سے)، ملبہ: (مَلبا، گرے ہوئے مکان یا عمارت کی مٹی اینٹوں وغیرہ کا ڈھیر، اینٹوں وغیرہ کی ٹوٹ پھوٹ کا ڈھیر)، مائل: (راغب، میلان ہونا)، رُوکار: (ورانڈہ، برآمدہ، سائبان، دالان، غلام گردش، راہ داری)، باڑ: (قطار، حاشیہ، تعمیرات کی غرض سے پشتے لگانا)، چلمن: (چک یا چق، بانس کی تیلیوں کا پردہ، سرکنڈے وغیرہ کا پردہ)، ہم سر: (برابر کا، ہم رتبہ، حریف)، مولوی عبدالحق: (برصغیر پاک و ہند کے عظیم اردو مفکر، انجمن ترقی اردو کے بانی، بابائے اردو)، وائسرائے: (بادشاہ کا نائب، نائب السلطنت، برطانوی راج کا مرکزی نمائندہ)، ٹوک دینا: (ٹوکنا، مزاحم ہونا، روکنا ٹوکنا، منع کرنا)، آثارِ قدیمہ: (پرانی عمارتیں، پرانی عمارات اور یادگاریں، محکمہ)، ہم عصر: (ہم عمر، احباب جو ایک ہی عہد میں حیات ہوں، ایک ہی پیشے سے منسلک)، چند ہم عصروں: (گنتی کے رفیقِ کار، کچھ شریک کار، دفتری شریکِ کار)، فرصت: (مہلت، موقع محل، وقت، خالی وقت، فراغت)، عصرِ نو: (دورِ جدید، نیا زمانہ، عہد حاضر، موجودہ زمانہ)، عزتِ نفس: (خودداری، غیرت مندی)

سبق نمبر 58 مسئلہ: (معاملہ، کوئی اہم بات، اہم اُمور، عملی کارروائی کے لیے حل طلب معاملہ)، ملتوی: (موقوف، برخاست کیا گیا امر، التوا میں ڈالا ہوا، آئندہ کے لیے اُٹھا یا ٹال رکھنا)، بحث ہونا: (گفت گو ہونا، مناظرہ ہونا، مباحثہ یا سوال وجواب ہونا، کسی معاملے کے متعلق بات چیت ہونا)، لغات: (وہ کتابیں جن میں الفاظ کے معنی درج ہوں، الفاظ معانی کی کتابیں)، ڈھیر لگنا: (جمع ہونا، انبار لگ جانا)، متفق ہونا: (اتفاق کرنا، ایک رائے ہونا، ہم خیال ہونا)، یادگار: (نشانی، علامت، آثار، یاد رکھنے کے قابل، وہ عمارت جو کسی واقعے یا کسی متوفی کی خدمات یاد رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو)، نشانِ خیر: (نعمت یا برکت کی نشانی، امن وسلامتی کی علامت، نیکی اور بھلائی کا نشان، کامیابی کی علامت)، فنا: (موت، اجل، ہلاکت)، تصور: (خیال، دھیان، نقشہ، سوچ)، منصوبہ: (تدبیر، مقصود، منشا، وہ کام جس کا ارادہ کیا گیا ہو، کسی اہم کام یا خیال کا کاغذی نقشہ)، خارج کرنا: (نکال دینا، باہر کرنا، علیحدہ کرنا، مسترد کرنا، نامنظور کرنا)، اہرامِ مصر: (مصر کے قدیم مخروطی مینار، فراعنۂ مصر کے مقبروں کے لیے تعمیر کرائے گئے مینار)، معمار: (عمارت بنانے والا مستری، راج مستری، عمارتیں بنانے کا کاری گر)، صحرا: (بیابان، ریگستان، اجاڑ، ویرانہ)، وسعت: (کشادگی، فراخی، پھیلاؤ، گنجائش)، بھربھری: (ریتلی، خستہ، بکھر جانے والی، تھوڑا سا زور لگانے پر جو ریت کی طرح بکھر جاتی ہو)، شعاع: (چاند یا سورج کی کرن، چاند یا سورج کی روشنی کے خطوط)، منعکس کرنا: (لوٹانا، ظاہر کرنا)، جذب کرنا: (چوس لینا، کشش کرنا، اخذ کرنا)، تقابل: (موازنہ، آمنے سامنے ہونا، روبرو ہونا، مانند ہونا)، ٹیلا: (زمین کا بلند پشتہ، مٹی کا بڑا تودہ، چھوٹی پہاڑی)، نصف دائرہ: (آدھا دائرہ، آدھا کرہ، دائرے کا نصف جس میں قطر دائرے کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے)، نوک اور زاویے: (گولے اور گوشے، مثلث کے کونے اور گوشے، جیومیٹریکل شکلیں)، نوک اور زاویے عطا کرنا: (جیومیٹریکل شکل دینا، کونے اور گوشے دار شکل وصورت بنانا)، طمانیت: (دِلی سکون، اطمینان، تسلی)، قلیل: (کم تعداد یا مقدار میں، تھوڑا)، وقفہ: (دورانیہ، زمانہ، مہلت)، جلیل: (شان دار، اعلیٰ، افضل)، پائیدار: (مضبوط، دیرپا، مستحکم)، عجائبِ عالم: (دنیا کی تعجب انگیز چیز، حیرت میں ڈالنے والی دنیا کی چیزیں، دنیا کی عجیب چیزیں)، فہرست: (اشیا کے ناموں کی فرد، لسٹ)، اقبال پارک: (لاہور کا پارک جہاں 23 مارچ 1940

کی قرار داد کی یاد میں مینارِ پاکستان تعمیر کیا گیا۔ پرانا نام منٹو پارک تھا)، شکل دینا: (صورت گری کرنا، کسی صورت میں پیش کرنا)، علامت: (نشانی، شناخت، پہچان، آثار، کسی واقعے یا چیز کی نمائندگی)، عجائب گھر: (عجائب خانہ، میوزیم، وہ جگہ جہاں عجیب وغریب اور یادگاری اشیا رکھی جاتی ہیں)، درس گاہ: (تعلیم گاہ، علم حاصل کرنے کی جگہ، تعلیمی ادارہ)، بحث وتمحیص: (باہم گفت گو اور تبادلۂ خیال کا عمل، بحث ومباحثہ)، موقع ومحل: (مناسب وقت اور مناسب جگہ، وقت اور جگہ کی مناسبت سے)، نسبت: (تعلق، واسطہ، مناسبت، مطابقت)، ساخت: (بناوٹ، ترکیب، ہیئت)، ماہرین: (ماہر کی جمع، کاملِ فن لوگ، ماہر لوگ)، متفق ہونا: (اتفاق کرنا، ایک رائے ہونا، ہم خیال ہونا)، وسعت: (کشادگی، فراخی، پھیلاؤ، گنجائش)، ہریالی: (ہرا اور سرسبز ہونے کی حالت، سرسبزی)، جھگیاں: (جھگی کی جمع، جھونپڑیاں، چھپر اور گھاس پھوس کے کچے مکانات)، قلعہ: (بادشاہ اور اس کے خدام کی رہائش گاہ، فوجی چھاؤنی جس کے گرد دیوار ہو، کوٹلہ، حصار)، مسجد عالم گیری: (لاہور کے شمال میں شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی تعمیر کروائی گئی مسجد، بادشاہی مسجد)، بیضوی: (انڈے کی شکل کا، انڈے کی مانند)، نوک دار: (نوک کی شکل کا، نوکیلا، مخروطی)، گنبد: (مساجد اور مقابر کی برج نما چھت، دائرہ نما چھت)، پہلودار: (وہ چیز جس کے کئی گوشے یا کونے ہوں)، قطعہ: (خطہ، اراضی کا حصہ، کسی چیز کا ٹکڑا)، حاوی: (احاطہ کرنے والا، وسیع، غالب، چھایا ہو)، اندرونِ شہر: (شہر کے بیچ کا علاقہ جس کے اردگرد تمام شہر ہو)، دریائے راوی: (ہماچل پردیش کے ضلع کانگڑا سے نکلنے والا پنجاب کا مشہور دریا جس کے کنارے لاہور شہر آباد ہے)، جہاں گیر کا مقبرہ: (دریائے راوی کے کنارے مغلیہ عہد کا تعمیر کیا گیا شہنشاہِ ہند نورالدین جہاں گیر کا مقبرہ جس کی تعمیر کا آغاز جہاں گیر کی بیوہ نور جہاں نے کیا اور جہاں گیر کے بیٹے شاہ جہاں نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا)، بدذوقی: (غیر معیاری پسند، بدمذاق ہونے کی حالت یا کیفیت، غیر معیاری چیزوں میں دل چسپی رکھنا)، تسلیم کرنا: (منظور کرنا، ماننا، قبول کرنا، سلام کرنا، بندگی کرنا)، منفرد: (بے مثل، یکتا، اکیلا، یگانہ)، جلسہ گاہ: (وہ جگہ جہاں جلسہ منعقد ہو۔ جلسہ کے لیے بنایا گیا پنڈال)، تاریخ: (وہ علم جس میں گزشتہ واقعات اور حالات پر بحث کی جاتی ہے، ہسٹری)، دفاع: (دشمن کے حملے سے بچاؤ)، وجود میں آنا: (پیدا ہونا، ظاہر ہونا، ترتیب، تشکیل پانا)، علامتی حیثیت: (علامت ہونا، اشاراتی شکل، اشاراتی وضع یا طرز ہونا)، ستون: (کھمبا، اینٹ، پتھر یا لوہے وغیرہ کا تھم)، نشانِ خیر: (نعمت یا برکت کا نشان، امن وسلامتی کی علامت، کامیابی اور جدوجہد کی علامت، بھلائی کی علامت)، محیط: (احاطہ کرنے والا، احاطہ کیے ہوئے، گھیرے ہوئے)، نظریاتی دفاع: (نظریات کی حفاظت، نظریے کی حفاظت کرنا، نظریے کی بقا اور اس پر قائم رہنے کے لیے جدوجہد کرنا)، تحریکِ آزادی: (آزادی کے لیے چلائی گئی تحریک، ہندوستان سے برطانوی راج کے خاتمے کی تحریک)، سرفرازی: (سربلندی، بُزرگی، مرتبہ میں ترقی، عزت میں اضافہ)، گواہ: (گواہی دینے والا، شاہد، شہادت دینے والا)، میسوپوٹیمیا: (دریائے دجلہ اور فرات کا وہ خطہ جس میں عکادی، اشوری اور بابل تہذیب نے جنم لیا، عربی میں اس علاقے کو "بین النہرین" کہتے ہیں۔)، اختراع: (تخلیق، من گھڑت، فنکارانہ ایجاد، جدت، اپج)، اہلِ روم: (روم یا روما کے رہنے والے، روم سے نسبت رکھنے والے، روم فارس کے مقابلے کی ایک بڑی سلطنت تھی)، بازنطینی: (بازنطین سے نسبت رکھنے والے، رومیوں کی شرقی شہنشاہی بازنطینی کہلاتی تھی)، فصیل: (شہر یا قلعے کی چار دیواری جو دشمن کے حملے سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی جاتی تھی)، حویلی: (بڑا اور پختہ مکان، محل سرا، عالی شان مکان)، جغرافیہ: (زمین کی سطح، حالات، ملکی آبادی اور تقسیم کا علم، جیوگرافی)، فنِ حرب: (اُمورِ جنگ کا علم، جنگی علوم، سپاہ گری کے علوم وفنون)، پست: (کم حیثیت، معیار سے گرا ہوا، گھٹا ہوا)، حملہ آور: (حملہ کرنے والا، چڑھائی کرنے والا، دھاوا بولنے والا، وار کرنے والا)، گنے چُنے: (تعداد میں تھوڑے، معدودے چند، قلیل تعداد میں، گنتی کے)، دیکھے بھالے: (شناسا، آزمائے ہوئے، آزمودہ، پرکھے ہوئے، معلوم)، دفاع: (حفاظت، بچاؤ، محکمۂ فوج، مخالف فوج کا حملہ روکنا)، کوتاہ قامت: (چھوٹے قد والا، بونا، ٹھگنا، پستہ قد)

59 آبنائے باسفورس: (آبنائے باسفورس ترکی کے یورپی حصے تھریس روم ویلی اور ایشیا کے حصے اناطولیہ کو جدا کرتی ہے، اسے آب نائے استنبول بھی کہتے ہیں، تھریس کی سرحدیں بحیرۂ اسود، بحیرۂ ایجین اور بحیرہ مرمرہ سے ملتی ہیں)، جنوبی فرانس: (یورپ

کے ملک فرانس کا جنوبی علاقہ)، وسط چین: (چین کا وسطی علاقہ، دریائے زرد کے گرد کا علاقہ)، دیوارِ چین: (200 قبل مسیح میں چین کے بادشاہ چن شی ہوانگ کی اپنے ملک کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے بنائی گئی دیوار، دیوار کی ابتدا چین اور منجو کی سرحد سے کی گئی اور یہ خلیج لیاؤ تنگ سے ہوتی ہوئی منگولیا اور تبت تک جاتی ہے۔ اس کی لمبائی سترہ ہزار ایک سو ستر میل اور یہ 30 فٹ اونچی اور 25 فٹ چوڑی ہے)، ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے لیے: (نمائشی چیز، دکھاوے کی چیز)، بُرج: (گنبد، مینار، قلعے کا وہ حصہ جس پر توپیں چڑھاتے ہیں)، دیوانہ: (بے وقوف، احمق، شوقین)، شانہ بہ شانہ: (ساتھ ساتھ، ہمراہ، مددگار ساتھی)، صف بہ صف: (کاندھے سے کاندھا ملا کر، قطار میں)، پیوست: (ملا ہوا، جُڑا ہوا)، سدِ سکندری: (وہ دیوار جو ذوالقرنین یا سکندر نے شمالی وحشیوں کے حملے روکنے کے لیے بنائی تھی)، سدِ یاجوج: (سدِ سکندری، یاجوج ماجوج سے بچنے کے لیے ذوالقرنین یا سکندر کے دور میں بنائی گئی نہایت مضبوط دیوار)، اُفق: (آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا دکھائی دیتا ہے)، مدھم: (ہلکا، خفیف، دھندلا، پھیکا)، کوہ سنجابی: (مجازاً: پہاڑوں کا پھیلا ہوا سلسلہ جو کپڑے پر لگے چوڑے گوٹے کے حاشیے کی طرح دکھائی دے)، حیرت کدہ ہُنر: (حیران کن فن، ایسا ہنر جس کا ہر پہلو حیران کن ہو)، سنجاف: (ریشم یا گوٹے کی چوڑی لیس جو کپڑے پر حاشیے کے لیے لگاتے ہیں، حاشیہ دار کپڑا، کنارہ دار کپڑا)، سنگلاخ: (سخت پتھریلا علاقہ، پتھریلی زمین، مشکل، کٹھن، تلخ)، عمود دار: (عموداً، عمود کی طرح، سیدھا)، چوٹی: (پہاڑ یا کسی عمارت وغیرہ کا سب سے اونچا حصہ، سب سے اونچی جگہ)، یوآن کا نوٹ: (چینی کرنسی کا نوٹ)، پس ماندہ: (پیچھے رہ جانے والا، غیر ترقی یافتہ، ترقی سے محروم)، زرِ مبادلہ: (برآمدات کی ادائیگی کے تحت حاصل ہونے والی بیرونی کرنسی کی رقم، بیرونی تجارت سے حاصل ہونے والی رقم)، شریک ہونا: (حصہ دار بننا، کسی فعل میں شریک کرنا، تعاون یا مدد کرنا)، دَم پھولنا: (سانس پھولنا، سانس چڑھنا، سانس سینے میں نہ سمانا، بہت زیادہ تھکن محسوس کرنا)، نقب لگانا: (دیوار میں سوراخ کرنا، شگاف ڈالنا، دیوار شق کرنا، گھات لگانا)، شیون: (نالہ و فریاد، واویلا، ماتم کی آواز، نوحہ)، فقط: (صرف، محض، بس، تنہا)، قصرِ فریدوں: (ایرانی تاریخ کے ایک ہیرو فریدون کا محل)، سدِ اسکندر: (نہایت مضبوط و مستحکم دیوار جو ذوالقرنین یا سکندر نے یاجوج ماجوج سے بچنے کے لیے بنائی تھی)، اورنگ نشیں: (تخت شاہی پر بیٹھنے والا)، حضرت ناظم: (رام پور اتر پردیس کے نواب سید یوسف علی خان جن کا تخلص ناظم تھا، رام پور ریاست کے سربراہ تھے)، قصوروار: (گناہ گار، ملزم، خطاوار)، دیوارِ چمن: (باغ کی دیوار)، کھل گئی: (شق ہوگئی، پھٹ گئی)، مزاج: (فطرت، سرشت، عادت، خصلت)، برشکال گریۂ عاشق: (عاشق کی گریہ زاری سے برسات کا سماں ہونا، یعنی عاشق شدت سے گریہ وزاری کرتے ہیں)، مانندِ گل: (پھول کی طرح، پھول جیسا، پھول کے مشابہ)، حسرت: (آرزو، تمنا، احساس محرومی)، مغربی پاکستان: (اس وقت پاکستان دو صوبوں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش اور مغربی پاکستان موجودہ پاکستان میں تقسیم تھا)، قبائلی علاقے: (پاکستان کا شمال مغربی پہاڑی علاقہ جسے فاٹا کہا جاتا ہے)، سردار: (قبیلے کا قائد، قبیلے کا امیر)، حقِ آسائش: (آرام و آسائش کا وہ حق جو بغیر کسی معاہدے کے حاصل ہو)، لپائی: (پلستر، لیپنے کی اجرت)، خستہ: (شکستہ، تباہ، خراب)، خاک ریز: (قلعے، مینار یا دیوار کا سوراخ جس سے کوڑا کرکٹ یا دشمن پر پتھر پھینکے جاتے ہیں)، کرن: (شعاع، روشنی کے خطوط جو چاند، سورج یا کسی چراغ سے نکلتے ہیں)، زینہ: (سیڑھی، اونچائی پر جانے آنے کا ذریعہ)، شہ نشین: (دالان یا دربار میں آگے کو نکلا ہوا حصہ جس پر بادشاہ بیٹھ کر لوگوں کو درشن دیتا ہو، اونچے کمرے کے اوپر بنا ہوا کمرا)، کارتوس: (بندوق کی گولی، نلکی نما خول جس میں چھرے اور بارود ہوتا ہے اور بندوق میں رکھ کر چلاتے ہیں)، ٹرانسسٹر: (ریڈیو سیٹ)، ٹاٹ میں مخمل کا پیوند: (بے میل اور بے جوڑ بات)، ہزار ہا سال: (بے شمار برسوں سے، لاتعداد سال، کئی سو سال)، گاتا بجاتا: (نغمہ سرائی کرتا ہوا، گانے گاتا اور ساز بجاتا ہوا)، پیوند لگا ہوا: (جوڑ لگا ہوا، ٹکڑے کا جوڑ لگا ہونا)

نمبر 60 نشانِ راہ: (سنگِ میل، وہ پتھر جس پر مسافت کا تعین ہوتا ہے)، بالائی: (سطح کے اوپر، اوپر کا حصہ)، روشن منار: (سمندر کے کنارے جو مینار راہ نمائی کے لیے بنائے جاتے ہیں جن کے اوپر کے حصے پر چراغ روشن ہوتے ہیں)، چٹان: (پتھر کی سل، پہاڑ کا ابھرا ہوا حصہ، پہاڑ کا چوڑا پتھر)، جفاکشی: (محنت مشقت اٹھانا، برداشت کرنا، نفس کشی)، منقطع: (ٹوٹا ہوا، جو کاٹ کر

جدا کر دیا گیا ہو)، تخفیف: (کمی ہونا، کم ہونا، موقوف ہونا)، رکھوالے: (رکھوالا کی جمع، حفاظت کرنے والا، نگراں)، سبک سارانِ ساحل: (ساحل کے آسودہ حال اور فارغ البال ملازم)، بادہ کش: (شراب نوش، شراب پینے والے)، شجاعت: (دلیری، بہادری، جرات)، شعبہ: (جز، حصہ، شاخ)، مضر: (غیر مفید، نقصان دہ، نقصان پہنچانے والے)، نقطہ: (بندی کا نشان)، آنکھیں جھپکیں: (آنکھیں بند کیں، آنکھیں میچ لیں)، ایشیا: (دنیا کا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا براعظم)، سائبریا: (براعظم ایشیا میں واقع روس کا علاقہ، سائبریا کا علاقہ پورے روس کا 66 فیصد ہے)، لنکا: (ہندو ادب کا اساطیری مقام جو راون کی سلطنت کا دارالحکومت تھا، موجودہ سری لنکا کہا جاتا ہے)، جزیرہ: (خشکی کا ایسا خطہ جو چاروں طرف دریا یا سمندر کے پانی سے گھرا ہو، ٹاپو)، گمان: (شک شبہ، وہم، خیال، قیاس)، لاشعور: (ذہن کا وہ حصہ جس تک شعور کی رسائی نہیں ہے)، عرشہ: (بحری جہاز کا بالائی حصہ، بحری جہاز کی ڈیک)

توضیحات

1۔ **قراردادِ پاکستان:** ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق نے یہ قرارداد پیش کی۔ صدر آل انڈیا مسلم لیگ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں اسے منظور کیا گیا۔ اس قرارداد کو ''قراردادِ لاہور'' کا نام دیا گیا تھا۔ اس قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے شمالی مغربی اور مشرقی مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں کو ملا کر آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کی جائیں۔ اس قرارداد کو بعد میں قراردادِ پاکستان یا پاکستان ریزولوشن نام دیا گیا۔ یہ قرارداد ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا سیاسی اور نظریاتی اعلان تھی۔ اس تاریخی دستاویز نے ہندوستان کے مسلمانوں کو تحریکِ پاکستان کی شکل میں ایک واضح منزل عطا کی اور سات سال بعد 14 اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا۔

2۔ **مینارِ پاکستان:** یہ مینار قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء کی یاد میں تعمیر کیا گیا۔ اس کی تعمیر کے لیے 1960ء میں گورنر مغربی پاکستان کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی اس کمیٹی میں چیف سیکریٹری مغربی پاکستان، لاہور میونسپل کارپوریشن کے نمائندے، پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ (PWD) کے انجینئرز، نصیر الدین مراد معروف آرکیٹیکٹ، انجینئر ابوالخیر شامل تھے۔ بعد میں کمشنر لاہور مختار مسعود بھی اس کمیٹی میں شامل کر دیے گئے۔ مینار کا طرزِ تعمیر اسلامی، مغلیائی اور جدید فنِ تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والا بیش تر سامان پاکستانی ہے۔ سوات سے حاصل کیا گیا سنگ سُرخ، ضلع ہزارا کا سنگِ مرمر، لوہا، کنکریٹ بھی پاکستانی ہے۔ تعمیراتی کمپنی بھی پاکستانی میاں عبدالخالق اینڈ کمپنی تھی۔ اس کی تعمیر اُسی تاریخ یعنی 23۔ مارچ 1960ء اور عین اسی جگہ یعنی منٹو پارک لاہور جسے آج اقبال پارک لاہور کے نام سے جانا جاتا ہے، کے میدان میں شروع کی گئی اور 1968ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ مینار کی بلندی 196 فٹ 6 انچ ہے۔ ٹاپ پر ساڑھے سولہ فٹ اسٹین لس اسٹیل کا گنبد نصب کیا گیا ہے۔ مینار کی 20 منزلیں اور 5 گیلریاں ہیں۔ پہلی گیلری 30 فٹ کی اونچائی پر ہے جس کے بعد ٹاپ فلور تک 255 سیڑھیاں ہیں۔ مینار میں برقی لفٹ بھی نصب کی گئی ہے مینار کے اردگرد 18 ایکٹر رقبہ پر محیط اقبال پارک تعمیر کیا گیا ہے جس میں خوب صورت فوارے اور جھیل بھی ہے۔ 2015ء میں اقبال پارک کو 125 ایکٹر رقبے تک توسیع دے دی گئی۔ قومی ترانے کے خالق عبدالحفیظ جالندھری کی قبر بھی پارک کے احاطے میں ہے۔

3۔ **مغربی پاکستان:** 14۔ اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا۔ 1971ء تک اس کے مغربی حصے میں پنجاب، سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ (موجودہ نام خیبر پختونخوا) شامل تھے۔ 1971ء میں پاکستان کا مشرقی حصہ علیحدہ ملک بنگلہ دیش بن گیا۔ اب پاکستان وہی خطہ ہے جو پہلے مغربی پاکستان کہلاتا تھا۔ 23۔ مارچ 1960ء میں جب مینارِ پاکستان کی تعمیر شروع ہوئی تو مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ تھے۔ 1968ء میں جب

مینار پاکستان مکمل ہوا تو محمد موسیٰ خان اس کے گورنر تھے۔ جولائی 1970ء میں ون یونٹ توڑ کر مغربی پاکستان کو الگ الگ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

4۔ وائس رائے/ وائسرائے: وائسرائے دو انگریزی الفاظ وائس یعنی نائب اور رائے یعنی رائل معنی بادشاہ سے مل کر بنا ہے۔ وائسرائے شاہ برطانیہ (کنگ یا کوئن) کا نمائندہ ہوتا تھا۔ اسے نائب السلطنت بھی کہہ سکتے ہیں۔ برطانوی حکومت اور کالونی (نوآبادی) کے درمیان سب سے بڑا رابطہ اور عہدہ وائسرائے تھا۔ نوآبادیاتی دور میں وائس رائے ہند ہی ہندوستان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے ماتحت، گورنر، کمشنر، ڈپٹی کمشنر وغیرہ کام کرتے تھے۔ ہندوستان میں 1857ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملاً حکومت تھی۔ 1857ء کے بعد برطانوی حکومت نے گورنر جنرل کو وائسرائے اینڈ گورنر جنرل کا لقب دیا۔ 14 اگست 1947ء کو تقسیمِ ہندوستان کے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن آخری وائس رائے اینڈ گورنر جنرل تھے۔ تقسیم ہند کے بعد وائسرائے کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ 14۔ اگست 1947ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے گورنر جنرل اور ماؤنٹ بیٹن بھارت کے گورنر جنرل بن گئے۔

5۔ قبائلی علاقے: برطانوی راج نے شمال مغربی سرحدی علاقوں کی جغرافیائی اہمیت اور حکومتی مشکلات کی وجہ سے افغانستان کے سنگم پر موجودہ پاکستان میں واقع ایسے سرحدی خطے بنائے جو خصوصی انتظام کے تحت چلائے جاتے تھے، ان علاقوں کو قبائلی علاقے کہا جاتا تھا۔ اہم قبائلی علاقوں میں خیبر ایجنسی، شمالی اور جنوبی وزیرستان، مہمند ایجنسی، باجوڑ ایجنسی، کرم ایجنسی اور اورک زئی ایجنسی شامل تھے۔ ان علاقوں میں پولیٹیکل ایجنٹ حکومتِ برطانیہ کا سب سے طاقت ور نمائندہ تھا۔ یہ نمائندہ عدالتی، انتظامی اور مالی اختیارات کے ساتھ ساتھ مقامی قبائلی عمائدین سے مذاکرات اور جرگہ کے اختیارات بھی رکھتا تھا۔ 1947ء میں قیامِ پاکستان کے بعد قبائلی علاقوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔ انھیں فاٹا کے نام سے نیم خود مختار رکھا گیا۔ 2019ء میں ان قبائلی علاقوں کو خیبر پختونخوا میں ضم کر دیا گیا۔

6۔ منٹو پارک/ اقبال پارک: منٹو پارک لاہور کا موجودہ نام گریٹر اقبال پارک ہے۔ وائسرائے لارڈ منٹو کے نام پر اس تاریخی پارک کا نام رکھا گیا تھا۔ 2016ء میں اس کا نام بدل کر گریٹر اقبال پارک کر دیا گیا۔ 23۔ مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس قائداعظم محمد علی جناحؒ کی صدارت میں یہاں منعقد ہوا جس میں قراردادِ پاکستان پیش کی گئی۔ پارک میں فوارے اور جھیل بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہ لاہور کے قابلِ دید مقامات میں سے ایک ہے۔ اس پارک کے مغرب میں شاہی قلعہ مشرق میں رنجیت سنگھ کی سمادھی، شمال میں دریائے راوی کا پرانا بہاؤ اور جنوب میں لاہور فورٹ واقع ہے۔

7۔ بادشاہی مسجد لاہور/ عالم گیری مسجد لاہور: 1648ء میں مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے دہلی میں جامع مسجد تعمیر کی۔ مئی 1673ء میں جامع مسجد دہلی کے طرزِ تعمیر پر شاہ جہاں کے بیٹے اورنگ زیب عالم گیر نے لاہور میں یہ عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ اسے لاہور کی شناخت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فیصل مسجد اسلام آباد کے بعد پاکستان کی سب سے بڑی مسجد ہے جس میں بیک وقت 60 ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مسجد کے 3 گنبد اور 8 مینار (4 بڑے اور 4 چھوٹے) ہیں۔ بڑے میناروں کی بلندی 176 فٹ 4 انچ ہے۔ مسجد کی عمارت سُرخ پتھر سے بنائی گئی ہے۔ مسجد کے داخلی دروازے کے جنوب میں ایک چھوٹا سا اسلامی عجائب خانہ بھی ہے جس میں دیگر اسلامی نوادارات کے علاوہ 23 کے قریب تبرکات بھی رکھے گئے ہیں۔

8۔ شاہی قلعہ لاہور: بادشاہی قلعہ جس جگہ واقع ہے پہلے یہاں کچی اینٹوں کی گڑھی تھی اس کی پرانی بنیادوں پر مغل بادشاہوں نے دوبارہ تعمیر کروائی۔ شہنشاہ اکبر نے دولت کدہ خاص و عام بھی تعمیر کروایا۔ 1618ء میں شہنشاہ جہاں گیر نے دولت کدہ جہاں گیر کا اضافہ کیا۔ 1631ء میں شہنشاہ شاہ جہاں نے بلوری نگینوں کا شیش محل تعمیر کروایا۔ شاہ جہاں نے دیوانِ

خاص، خواب گاہ، حمام، خلوت خانہ اور موتی مسجد بھی اس قلعے میں تعمیر کروائے۔ 1674ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے باشاہی مسجد کی طرف قلعے کا مرکزی دروازہ تعمیر کروایا جسے عالم گیری دروازہ بھی کہا جاتا ہے۔ 1799ء تا 1839ء کے دوران شاہی قلعے پر سکھوں کا قبضہ رہا۔ 1846ء میں پنجاب پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ 1927ء میں اسے محکمۂ آثارِ قدیمہ پنجاب کو سونپ دیا گیا۔ 1981ء میں اقوامِ متحدہ کے ادارے یونیسکو نے شاہی قلعہ لاہور کو عالمی ثقافتی ورثہ قرار دے دیا۔

9۔ **مقبرۂ جہاں گیر:** مغل شہنشاہ اکبر کا بیٹا شہزادہ سلیم 1605ء میں اپنے باپ کی وفات کے بعد نور الدین جہاں گیر کے نام سے تخت نشین ہوا۔ جہاں گیر کی آٹھ بیویاں تھیں لیکن سب سے زیادہ شہرت ملکہ نور جہاں کے حصے میں آئی۔ جہاں گیر نے 1627ء میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے بھمبر کے مقام پر انتقال کیا اور اس کی میت کو لاہور لایا گیا اور دریائے راوی کے کنارے باغ دل کشا لاہور، موجودہ شاہدرہ میں دفن کیا گیا۔ یہ مقام اب مقبرۂ جہاں گیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقبرہ کی تعمیر کا آغاز ملکہ نور جہاں نے کیا اور شہنشاہ شاہ جہاں نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مقبرہ کے چار کونوں پر حسین مینار نصب ہیں۔ قبر کا تعویذ سنگِ مرمر کا ہے اور اس پر قیمتی پتھروں سے گل کاری کی گئی ہے۔ مقبرہ کی حدود میں ایک خوب صورت مسجد اور رہائشی عمارات بھی تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ مقبرہ مغلیہ دور میں تعمیر کی گئی سب سے حسین یادگاروں میں سے ایک ہے۔

10۔ **اہلِ روم:** قدیم شہر روم کے باشندوں کو اہلِ روم کہا جاتا ہے۔ یہ رومی سلطنت کے شہری تھے۔ ابتدا میں یہ لوگ ستارہ پرست اور بت پرست تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں اکثریت عیسائی ہو گئی۔ قرآن مجید کی 30 ویں سورت کا نام سورۃ الروم ہے۔ رومیوں کی مشرقی سلطنت میں یونانی زبان غالب تھی اس لیے بازنطینی سلطنت کو یونانی بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں رومیوں سے ہونے والی جنگیں جنگِ موتہ، جنگ تبوک اور جنگِ یرموک ہیں۔ ان جنگوں کے نتیجے میں شام فلسطین، مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے رومیوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ قانون، فنِ تعمیر، سائنس اور فلسفہ کی وجہ سے اہلِ روم کو دنیا کی عظیم ترین تہذیبوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ شاہراہیں، نہریں، قلعے، حمام، تھیٹر اور گنبد وغیرہ ان کے فنِ تعمیر اور انجینئرنگ کے نمونے آج بھی شہکار مانے جاتے ہیں۔

11۔ **بازنطینی سلطنت:** رومی سلطنت کے مشرقی حصے کا نام بازنطینی سلطنت ہے۔ 395ء میں رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مغربی رومی سلطنت اور مشرقی رومی سلطنت۔ مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت روم جب کہ مشرقی رومی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ بن گیا۔ یہ قدیم شہر ''بیزنطیوم'' تھا اس لیے اسے بازنطینی سلطنت بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شہر بحیرۂ اسود کے کنارے ٹھیک اسی جگہ واقع تھا جہاں اب ترکی کا شہر استنبول ہے۔ ہم قسطنطنیہ اور بیزنطیوم کو استنبول کے قدیم نام کہہ سکتے ہیں۔ 1453ء میں عثمانی سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے بیزنطین سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ مضبوط فوج اور مضبوط بحریہ اور مضبوط قلعے اور یونانی فلسفہ، سائنس، ادب قانون اور کلیسا کی حمایت بیزنطینی سلطنت کی اہم خصوصیات تھیں۔ اندرونی کمزوری، سیاسی سازشیں اور بیرونی حملے اس سلطنت کے زوال کا باعث بنے۔ اس سلطنت نے دنیا میں فنِ تعمیر، قانون، سیاست، فلسفہ اور ادب کو فروغ دیا۔

12۔ **آب نائے باسفورس:** آب نائے اس تنگ قطعۂ آب کو کہتے ہیں جو پانی کے دو بڑے قطعوں کو ملائے۔ اسے آبنائے استنبول بھی کہتے ہیں۔ اس کے دونوں طرف ترکی کا شہر استنبول آباد ہے جو دنیا کا واحد شہر ہے جو دو براعظموں ایشیا اور یورپ کو ملاتا ہے۔ آب نائے باسفورس بحیرۂ اسود کو بحیرۂ مرمرہ سے ملاتی ہوئی آبنائے ورزدانیل کے ذریعے بحیرۂ ایجین اور پھر بحیرۂ روم تک رسائی فراہم کرتی ہے۔ روس کے خام تیل، گیس اناج اور دیگر تجارتی سامان کے لیے اہم ترین گزرگاہ ہے۔ اس لیے یہ آبی گزرگاہ جغرافیائی، سیاسی اور تاریخی اعتبار سے دنیا کے سب سے حساس راستوں میں شمار ہوتی ہے۔

13۔ **میسوپوٹیمیا:** یونانی زبان میں میسوپوٹیمیا ایسی سرزمین کو کہتے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو۔ فارسی میں ایسی سرزمین ''دوآبہ''

کہلاتی ہے۔ میسو پوٹیمیا کا خطہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقے پر مشتمل تھا۔ آج کے عراق، شام اور ترکی کے جنوبی علاقوں تک پھیلا ہوا خطہ انسانی تہذیب کا وہ قدیم اور عظیم میسو پوٹیمیا ہے جسے انسانی تہذیب کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔ اس خطے میں دنیا کی پہلی شہری ریاستیں سومیری، اکادی، بابلی اور کلدانی وجود میں آئیں۔ دنیا کا پہلا تحریری اور قانونی نظام ضابطۂ حمورابی اسی خطے میں مرتب ہوا۔ دنیا کی پہلی کتابوں کی لائبریری اسی خطے کے شہر نینوا میں قائم کی گئی۔ دنیا کا پہلا تحریری رسم الخط کیونی فارم اسی خطے کے سومیریوں نے ایجاد کیا۔ ابتدائی ریاضی، الجبرا اور جیو میٹری کے علوم اسی خطے میں پھلے پھولے۔ چاند، سورج کی حرکات کا مشاہدہ، کیلنڈر کی ایجاد، وقت کی گھنٹہ منٹ اور سیکنڈ کی تقسیم اسی خطے میں ہوئی۔ ایرانیوں، یونانیوں، رومیوں، ساسانیوں اور عربوں نے اسی خطے کی تہذیبوں سے استفادہ کیا۔ اسی لیے میسو پوٹیمیا کو انسانیت کی بنیاد کہا جاتا ہے۔

14۔ اہرامِ مصر: قدیم مصری تہذیب 3000 قبل مسیح سے 30 قبل مسیح تک قائم رہی۔ قدیم مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے۔ مغربی تہذیب کے مطابق فرعون خدا کا درجہ رکھتے تھے اور ان کی روح اور جسم مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے تھے۔ وہ اپنے بادشاہ کی روح اور جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے بادشاہ کی حنوط شدہ لاش، روزمرہ کی اشیا، کھانے کا سامان، زیورات اور مذہبی تحریروں کو ''ہرم'' میں رکھتے تھے۔ مصر کے ان فرعونوں کی حنوط شدہ لاشوں اور قیمتی اشیا کو محفوظ رکھنے کے لیے بنائی گئی یہ عظیم عمارتیں اہرام کہلاتی ہیں۔ یہ اہرام ریاضی اور جیومیٹری کے اصولوں پر تعمیر کیے جاتے تھے۔ اہرام کی بنیاد چاروں طرف (شمال، جنوب، مشرق اور مغرب) رُخ رکھتی تھی۔ زاویوں، گوشوں اور لمبائی میں درستی مصریوں کی علم ریاضی اور جیومیٹری پر عبور کو ظاہر کرتی ہے۔ سب سے بلند ہرم جیزہ کی بلندی 146 میٹر ہے۔

15۔ سدِ سکندری/ سدِ یاجوج/ سدِ اسکندر/ سدِ ذوالقرنین: سدِ ذوالقرنین کا ذکر قرآنِ مجید کی سورت ''الکہف'' میں آیا ہے۔ ذوالقرنین اللہ کے نیک اور عادل بندے تھے۔ حضرت ذوالقرنین نے لوہے کی چادروں اور پگھلے ہوئے تانبے کی مدد سے مضبوط دیوار بنائی کہ یاجوج اور ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی نقب لگا سکتے تھے۔ اس دیوار کو دیوار ذوالقرنین کہتے ہیں۔ بعض لوگ اسے دیوار یاجوج بھی کہتے ہیں۔ اسی دیوار کو سدِ سکندری یا سدِ اسکندر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس دیوار کا تعلق سکندر اعظم سے جوڑتے ہیں جو قدیم یونانی بادشاہ تھا۔

16۔ یاجوج ماجوج: قرآنِ مجید کی آیات (سورۃ الانبیاء آیت 96، سورۃ الکہف آیات 83 تا 98)، مختلف احادیث اور بائبل کی روایات میں یاجوج ماجوج (گوگ، میگوگ) کا ذکر موجود ہے۔ یہ وحشی قبائل سدِ ذوالقرنین کے پیچھے بند ہیں۔ جسمانی طور پر یہ چھوٹے قد، چوڑے چہرے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے زرد رنگت والے سخت اور جنگ جو مزاج قبائل ہیں۔ یہ آخری زمانے میں سدِ ذوالقرنین کے ٹوٹنے پر دنیا پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ قیامت کی ایک بڑی علامت ہوگی۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا۔ یاجوج اور ماجوج دنیا کے آبی و زرعی وسائل استعمال کر کے ختم کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان پر خاص قسم کی بیماری بھیجے گا جس سے ان کی موت واقع ہو جائے گی۔

17۔ قصرِ فریدون: فریدون کا شمار ایران کے قدیم ترین اور عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ شاہنامہ اور اوستا کے مطابق اس عادل بادشاہ نے ضحاک نامی (ازدہاک) ایک ظالم بادشاہ کو شکست دے کر دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا تھا۔ فریدون کے محل کو ایک علامتی اور اساطیری قصر کے طور پر داستانوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ ایرانی داستانوں میں قصرِ فریدون کو سفید اور سنہری پتھروں سے بنا محل بیان کیا جاتا ہے۔ اس محل کے اردگرد جنت نظیر باغات تھے۔ ایرانی ادب میں فریدون کو حکمت، جادوگری، طب فلسفے اور علم و دانش کا مرکز اور علامت قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی حقیقی عمارت نہیں بلکہ ایک ثقافتی، علامتی اور تصوراتی محل ہے۔

18۔ دیوارِ چین: چین کو متحد اور محفوظ رکھنے کے لیے چین کے بادشاہ چن شی ہوانگ (225-210 ق م) نے چین میں موجودہ

مختلف ریاستی دیواروں کو جوڑنے کا حکم دیا۔ اس منصوبے میں لاکھوں مزدور، سپاہی، کسانوں اور قیدیوں نے حصہ لیا۔ اس دیوار کی اوسط اونچائی 20 سے 30 فٹ اور چوڑائی 12 سے 16 فٹ ہے۔ اس دیوار کی مجموعی لمبائی 21196 کلومیٹر ہے یہ دیوار خلیج لیاؤ ٹنگ سے منگولیا اور تبت تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس دیوار کی تعمیر کا مقصد شاہراہ ریشم کے تجارتی قافلوں اور چینی عوام کو منگول، تاتار، ترک اور شیونگ نو قبائل کے حملوں سے بچانا تھا، دیوار چین دنیا کی سب سے طویل دیوار ہے جس میں کئی جگہ پر برجوں، سرنگوں، چوکیوں اور دفاعی قلعوں کا وسیع نظام ہے۔ دیوار کی تعمیر میں مضبوط پتھروں پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال کیا گیا ہے۔ 1987ء میں یونیسکو نے دیوار چین کو عالمی ثقافتی ورثے میں شامل کرلیا۔

19۔ وسط چین: وسط چین سے مراد چین کا وسطی خطہ ہے جو ملک کے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کے درمیان واقع ہے۔ یہ علاقہ چین کا جغرافیائی تہذیبی اور معاشی خطہ ہے جسے چین کی تاریخ، آبادی، زراعت، دریائی نظام اور ثقافت کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اسی خطے سے چین کی تہذیب نے جنم لیا، اسے چینی تہذیب کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔ شاہراہ ریشم کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے یہ تجارتی قافلوں کے لیے شمال سے مغرب تک کی اہم گزرگاہ ہے۔ وسط چین کو ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ اسے چین کا دل بھی قرار دیا جاتا ہے۔ چین کی معاشی ترقی میں وسط چین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

20۔ سائبیریا: سائبیریا دنیا کے سخت ترین سرد علاقوں میں سے ایک ہے۔ جغرافیائی طور پر یہ ایشیا کا وسیع و عریض خطہ ہے جو روس کے مشرقی اور شمالی حصوں پر مشتمل ہے۔ اس خطے کا کل رقبہ 30 لاکھ مربع کلومیٹر ہے جو کہ پورے روس کا 77 فیصد بنتا ہے۔ اس کے مغرب میں یورال کی پہاڑیاں، مشرق میں بحیرۂ بیرنگ اور بحیرۂ اوخوٹسک، شمال میں بحر منجمد شمالی اور جنوب میں منگولیا، قازقستان اور چین ہیں۔ برف اور ٹنڈرا کے اس خطے میں 6 سے 8 ماہ تک موسم سرما کا دورانیہ ہے اور درجہ حرارت منفی 40 سے منفی 60 سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔ اسے دنیا کا سب سے بڑا گھنے جنگلات کا خطہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سونا، چاندی، کوئلہ، خام تیل، قدرتی گیس، لوہا، تانبا، نکل اور ہیرے کی معدنی دولت سے مالا مال خطہ ہے۔ انتہائی سرد موسم کے باعث آبادی کم ہے۔

21۔ لنکا: لنکا جنوبی ایشیا کا قدیم اور تاریخی جزیرہ ہے۔ یہ بحر ہند میں بھارت کے جنوب میں واقع ہے۔ رامائن، ہندو دھرم کی رزمیہ داستان، میں لنکا کو ''سنہری شہر'' یعنی گولڈن سٹی کہا گیا ہے۔ آج یہ جزیرہ، سری لنکا ملک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لنکا کا ہندو مذہب کے ادب سے گہرا تعلق ہے۔ رامائن کے پورے قصے میں لنکا مرکزی مقام ہے جہاں لنکا کے حاکم راون نے رام کی بیوی سیتا کو قید کر رکھا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں رام اور راون کی جنگ ہوئی۔

سبق کا خلاصہ

میں پہلی بار مینارِ قراردادِ پاکستان کی تعمیر سے متعلق مجلسِ تعمیر کے اجلاس میں شریک ہوا۔ میں اس مجلس کا صدر تھا۔ جیسے ہی کارروائی شروع ہوئی، میرے ذہن میں برنارڈ شا کا قول گونجنے لگا کہ ''وہ مقام جہاں خواہشِ دل اور فرضِ منصبی ایک ہو جائیں، خوش بختی کہلاتا ہے۔'' میں نے محسوس کیا کہ آج میرا فرض اور میری خواہش ایک ہی ہیں، کیوں کہ میں تعمیر کے اس منصوبے سے دل و جان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ محض ایک عمارت نہیں بلکہ ایک نظریے اور ایک عہد کی تعبیر ہے۔ شروع میں جب مینار کی تعمیر کا آغاز ہوا تو میرا اس سے کوئی سرکاری تعلق نہیں تھا، مگر محبت کے جذبے نے مجھے وہاں پہنچا دیا۔ میں نے دیکھا کہ بنیادیں بھری جا چکی تھیں، ملبہ ہر طرف پھیلا تھا، اور بانسوں کی باڑ میں عمارت چھپی ہوئی تھی۔ میں قریب جانا چاہتا تھا مگر چوکی دار نے روکا۔ میں نے پوچھا، ''یہ کیا بن رہا ہے؟'' اس نے کہا، ''یادگار بن رہی ہے۔''

مجلسِ تعمیر کی میٹنگ میں بات چلی تو میں نے کہا کہ پہلے ''یادگار'' کے لفظ پر غور کیا جائے۔ لغت دیکھنے پر سب نے تسلیم کیا کہ یادگار وہ چیز ہے جو مرنے کے بعد رہ جاتی ہے۔ مگر قراردادِ پاکستان موت نہیں، زندگی کی علامت ہے۔ اس لیے ہم نے طے

کیا کہ منصوبے سے ''یادگار'' کا لفظ ہٹا دیا جائے۔ یوں اس عمارت کا نام صرف مینارِ قراردادِ پاکستان رکھا گیا۔ بات آگے بڑھی تو کسی نے کہا کہ ہمیں یہ طے کرنا چاہیے کہ یادگاری عمارت کیسی ہونی چاہیے۔ کسی نے کہا کہ جھیل بنائیں، کسی نے کہا مسجد یا کتب خانہ، کسی نے کہا باغ یا دروازہ۔ مگر آخر میں سب نے اتفاق کیا کہ ایک مینار ہی اس مقصد کے لیے موزوں ہے، کیوں کہ مینار بلندی، وقار اور نظریاتی عظمت کی علامت ہے۔

میں نے سوچا کہ دنیا میں اور بھی مینار ہیں، جیسے اہرامِ مصر، جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے معمار نے جب صحرا کی وسعت اور ریت کی نرمی دیکھی تو فیصلہ کیا کہ عمارت مضبوط اور بلند ہونی چاہیے۔ اس نے چاہا کہ روشنی عمارت سے منعکس ہونے کے بجائے اس میں جذب ہو۔ یوں اس نے زاویہ دار، نوک دار اور بلند عمارت بنائی جو وقت کے ساتھ ایک نشانِ عظمت بن گئی۔ میں نے سوچا، اگر وہ معمار اقبال پارک میں ہوتا تو شاید مینارِ پاکستان کو بھی ایک نیا اور منفرد انداز دیتا۔ مگر چوں کہ ہمیں خود یہ کام کرنا تھا، اس لیے ہم نے اپنے حالات، تاریخ اور نظریے کے مطابق اسے ڈھالنے کا فیصلہ کیا۔

مینار کی جگہ کے بارے میں بھی غور کیا گیا۔ اقبال پارک کے گرد مختلف عمارتیں ہیں، مشرق و شمال میں سبزہ، مغرب میں نالا اور جھگیاں، جنوب میں قلعہ، گوردوارہ اور مسجدِ عالم گیری۔ کسی نے کہا آٹھ میناروں میں نواں مینار شامل کرنا حُسن ہے، کسی نے کہا بدذوقی ہے، مگر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دنیا میں کسی قرارداد کے مقام پر مینار تعمیر کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ میں نے تحقیق کے دوران میں جانا کہ مینار کا آغاز دفاعی ضرورت سے ہوا تھا۔ پرانے زمانے میں دشمن پر نظر رکھنے کے لیے مینار بنائے جاتے تھے۔ بعد میں یہ علامت بن گئے، پھر دین کے ستون جیسے: مسجدوں کے مینار وجود میں آئے، اور آخر میں نشانِ خیر کی حیثیت اختیار کی۔ مینارِ پاکستان ان سب معنوں کو سمیٹے ہوئے ہے، یہ نظریاتی دفاع کی علامت ہے، تحریکِ آزادی کی یادگار ہے، دین کی سربلندی کی نشانی ہے اور قوم کے روشن مستقبل کی امید ہے۔

میں نے دنیا کے مختلف دفاعی مینار دیکھے۔ روم اور بازنطینی سلطنت میں ہر شہر میں مینار موجود تھے۔ چین میں بھی دیوار کے ساتھ مینار بنے ہوئے ہیں۔ میں نے خود دیوارِ چین دیکھی۔ دور سے وہ ایک لکیر سی لگتی تھی مگر قریب سے وہ ایک حیرت انگیز پتھریلی حقیقت تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو پہلے مینار تک پہنچے گا اسے انعام ملے گا مگر سب راستے میں تھک گئے۔ مینار اب بھی اتنا ہی دور لگ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہمارے نوجوان بھی اسی طرح دنیاوی دوڑ میں بھاگ رہے ہیں، مگر منزل دور ہی رہتی ہے۔ میں پاکستان کے قبائلی علاقے میں ایک پرانا مٹی کا مینار بھی دیکھنے گیا۔ باہر سے وہ ٹھیک تھا مگر اندر سے خستہ حال۔ اس کی شہ نشین پر ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے تھے۔ ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ صدیوں پرانے مینار میں نئی دنیا کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ منظر میرے دل پر نقش ہو گیا۔

میں نے سمندری کناروں پر روشن مینار بھی دیکھے جو جہازوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ پہلے ان میں روشنی تیل سے کی جاتی تھی اور ایک محافظ وہاں رہتا تھا۔ اس کی زندگی سختی اور تنہائی میں گزرتی تھی۔ طوفان آتا تو وہ دنیا سے کٹ جاتا۔ مگر اب بجلی اور گیس کے نظام نے سب بدل دیا ہے۔ اب ایک بٹن سے روشنی جلتی اور بجھتی ہے۔ وقت نے انسان کی جگہ مشین کو دے دی ہے۔ میرے ذہن میں ایک اور روشن مینار کا تصور بھی نقش تھا، لنکا کے کنارے کا مینار۔ بچپن میں جب نقشے پر ایشیا دیکھتا تھا تو لنکا ایک نقطے کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ برسوں بعد میں جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا جب اعلان ہوا کہ ہم لنکا کے قریب ہیں۔ میں نے دیکھا کہ خشکی کی آخری حد پر ایک روشن مینار جگمگا رہا ہے۔ وہ منظر میرے دل میں ہمیشہ کے لیے بس گیا۔

مرکزی خیال

مینار صرف ایک یادگار عمارت نہیں بلکہ قوم کے نظریے، عزم، اور ایمان کی علامت ہے۔ مینار قوم کی آزادی، قربانی اور وحدت کی وہ نشانی ہے جو ہمیں اپنے ماضی کی جدوجہد اور مستقبل کے مقاصد یاد دلاتی ہے۔ دنیا کے مختلف مینار مختلف مقاصد کے لیے

بنائے گئے، مگر مینارِ پاکستان منفرد ہے کیوں کہ یہ تحریکِ آزادی اور نظریاتی دفاع کی یادگار ہے۔ جب کوئی قوم اپنے نظریے پر قائم رہتی ہے تو وہ دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کرتی ہے۔ یہ مینار محض اینٹ اور پتھر کا مجموعہ نہیں، بلکہ قوم کے ایمان، محنت، اور قربانیوں کا استعارہ ہے جو ہمیں اپنی پہچان اور مقصدِ حیات کا احساس دلاتا ہے۔

اہم عبارات کی تشریح

نوٹ: (جو طلبہ ہر عبارت کا الگ الگ سیاق وسباق نہیں لکھ سکتے، وہ اس سبق کی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل درج ذیل اجمالی سیاق وسباق لکھ سکتے ہیں۔)

اجمالی سیاق وسباق

مصنف مینار کی تعمیر کے سلسلے میں منعقدہ مجلسِ تعمیر میں شریک ہوتے ہیں۔ وہاں وہ یہ سوچتے ہیں کہ مینار کو صرف ایک یادگار کے بجائے قوم کے نظریے، ایمان اور آزادی کی علامت بنانا چاہیے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ مینار محض اینٹ، پتھر یا سیمنٹ کا ڈھیر نہیں بلکہ یہ تحریکِ پاکستان، مسلمانوں کے جذبۂ آزادی، قربانیوں اور اتحاد کی یاد تازہ کرتا ہے۔ وہ دنیا کے دیگر مشہور میناروں، مثلاً اہرامِ مصر، دیوارِ چین، اور دفاعی میناروں کا ذکر کر کے بتاتے ہیں کہ ہر قوم نے اپنے عزم اور طاقت کی علامت کے طور پر مینار تعمیر کیے مگر مینارِ پاکستان ان سب سے منفرد ہے کیوں کہ یہ نظریاتی دفاع اور قومی تشخص کی علامت ہے۔

عبارت نمبر 1

مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی نشست تھی، میز کے اردگرد تمام اراکین جمع تھے، میں آج ان میں پہلی بار شامل ہوا تھا۔ کارروائی کی پہلی شقِ غور کے لیے پیش ہوئی، میرا ذہن اُس وقت برنارڈ شا کے اس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کی حدیں مل جائیں اُسے خوش بختی کہتے ہیں۔ میں بہ لحاظِ عہدہ، اس مجلس کی صدارت کر رہا ہوں مگر عہدے کو ایک عہدِ وفا کا لحاظ بھی تو لازم ہے۔ میرے عہدے کا تعلق تعمیر سے ہے، میرے عہد کا تعلق تحریک سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے سنگ وخشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔ میں نے اس مینار کو بہ الفاظِ اقبالؔ، جلوہ گہِ جبرئیلؑ جانا۔

حوالۂ متن

سبق کا عنوان: مینار

مصنف کا نام: مختار مسعود

ماخذ: آوازِ دوست

صنف: مضمون

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سبق کی پہلی عبارت ہے، اس لیے اس کا سیاق نہیں ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر محض ایک عمارت نہیں، بلکہ قراردادِ پاکستان کی تاریخی اہمیت کا اظہار ہے۔ یادگار کے روایتی تصور کو بدل کر اسے ایک نشانِ خیر کے طور پر تعمیر کیا گیا۔ وہ تاریخ کے آئینے میں میناروں کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لیتے ہیں؛ کبھی یہ دفاعی ضرورت تھے، تو کبھی علامتِ دین اور رہنمائی کا ذریعہ۔ وہ میسوپوٹیمیا کے میناروں، دیوارِ چین اور قبائلی علاقوں کے قدیم میناروں کا ذکر کرتے ہوئے جدید سہولتوں پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی نے زندگی کو سہل تو بنایا ہے مگر انسانی شجاعت کے مواقع کم کر دیے ہیں۔ آخر میں، لنکا کے روشن مینار سے وہ تاریخ کا گہرا تعلق واضح کرتے ہیں۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر کے سلسلے میں ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں تمام اراکین جمع تھے اور ایک مسئلہ زیرِ غور تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب قوم کی تاریخ سے متعلق ایک یادگار کے بارے میں فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ مصنف پہلی مرتبہ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ عام طور پر لوگ ایسے اجلاس کو محض ایک رسمی کارروائی سمجھتے ہیں لیکن مصنف کا اندازِ فکر مختلف تھا۔ انھوں نے اس مجلس کو صرف کاغذی کارروائی یا تعمیری منصوبہ نہ سمجھا بلکہ اس کے اندر ایک گہری معنویت تلاش کی۔

مصنف کے ذہن میں اس وقت برنارڈ شا کا قول گونج رہا تھا۔ برنارڈ شا نے کہا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی خوش بختی یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کا فرض ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔ عام طور پر انسان کی زندگی میں خواہش اور فرض ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں۔ اکثر دل کچھ اور چاہتا ہے مگر ذمہ داری کچھ اور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن اگر کبھی انسان کو وہ موقع مل جائے کہ اس کا دل بھی وہی چاہے جو اس کا فرض ہے اور اس کا فرض بھی وہی ہو جو اس کی خواہش ہے تو اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہی بات مصنف کو متاثر کر رہی تھی۔ مصنف کے اس رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گہری فکر اور غور و خوض کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ صلاحیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ برنارڈ شا کا کہنا ہے کہ:

"دو فی صد لوگ واقعی سوچتے ہیں، تین فی صد لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ سوچتے ہیں اور پچانوے فی صد لوگ سوچنے کی بجائے مرنا پسند کریں گے۔"

اسی جذبے کے ساتھ جب وہ اجلاس میں بیٹھے تو انھوں نے اپنے منصب کو صرف ایک اعزاز نہ سمجھا بلکہ ایک بھاری ذمہ داری جانا۔ وہ کہتے ہیں کہ عہدہ محض کرسی یا طاقت کا نام نہیں بلکہ ایک امانت ہے، ایک وعدہ ہے۔ یہ قوم کے ساتھ ایک معاہدہ ہے کہ اسے دیانت داری اور وفاداری کے ساتھ نبھایا جائے گا۔ اسی سوچ نے اس کے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ صدر کے طور پر بیٹھنا کوئی ذاتی فخر کا موقع نہیں بلکہ ایک بڑا امتحان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عہدہ دراصل عہدِ وفا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس تعمیر کے لیے یہ مجلس منعقد ہوئی تھی، وہ تعمیر کیا تھی؟ کیا وہ صرف اینٹ، پتھر اور سیمنٹ کا ڈھانچا تھا؟ بظاہر تو یہ ایسا ہی لگتا ہے۔ مگر مصنف کے نزدیک یہ تعمیر محض ایک عمارت کی تعمیر نہیں تھی بلکہ ایک خواب کی تعبیر تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مینار صرف پتھروں اور اینٹوں سے نہیں بنایا جا رہا، بلکہ یہ تحریکِ پاکستان کی یاد کا نشان ہے۔ یہ اُن قربانیوں کی علامت ہے جو مسلمانوں نے پاکستان کے حصول کے لیے دی تھیں۔ مصنف کے نزدیک مینار محض ایک ڈھانچا نہیں بلکہ ایک جہانِ تازہ کی نوید ہے۔ بقول شاعر:

؎ وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا — یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے (اقبال)

مصنف مزید کہتے ہیں کہ اس مینار میں مجھے اینٹ اور پتھر نہیں دکھائی دیتے، بلکہ ایک نئی دنیا کی بنیادیں نظر آتی ہیں۔ یہ جہانِ نو کی تعمیر ہے۔ اس میں خوابوں کی جھلک ہے۔ یہ مینار محض ایک یادگار نہیں بلکہ ایک نشانِ راہ ہے جو آنے والی نسلوں کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ پاکستان کیوں اور کیسے حاصل ہوا؟ یہاں ایک اور نہایت اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ وہ مینار کو صرف ایک یادگار نہیں بلکہ جلوہ گہِ جبرئیل سمجھتا ہے۔ جبرئیلؑ وہ فرشتے ہیں جو اللہ کا پیغام لے کر آیا کرتے تھے۔ ان کی آمد روشنی، امید اور ہدایت کا نشان ہے۔ جب مصنف اس مینار کو جلوہ گہِ جبرئیل کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مینار بھی ایک پیغام ہے۔ یہ ہمیں اللہ کا دیا ہوا وہ تحفہ یاد دلاتا ہے جو قربانیوں کے نتیجے میں ملا۔ یہ اس مقصد کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے یہ وطن بنایا گیا تھا۔ مصنف نے اقبال کے جس شعر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ان کی نظم "مسجدِ قرطبہ" میں موجود ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور — تیرا منار بلند جلوہ گہِ جبرئیل

اگر ہم غور کریں تو یہ مینار اس تحریک کی علامت ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں زندہ تھی۔ وہ تحریک جو علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری سے پیدا کی۔ وہ خواب جو انھوں نے دکھایا کہ مسلمان ایک علیحدہ وطن میں اپنی زندگی اپنے دین اور اپنی تہذیب کے مطابق گزار سکیں۔ وہ تحریک جو قائداعظم کی قیادت میں ایک حقیقت میں ڈھل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مینارِ پاکستان محض پتھر نہیں بلکہ وہ خواب ہے جو پورا ہوا۔ یہ قربانیوں کی کتاب ہے جو اینٹوں میں لکھ دی گئی ہے۔ دراصل بڑے مقاصد کے لیے تعمیر ہونے والی یادگاریں محض مادی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ ان میں ایک روحانی اور فکری پہلو بھی ہوتا ہے۔ مینارِ پاکستان ہمیں ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ یہ وطن کس مشکل جدوجہد کے بعد حاصل ہوا۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو کبھی صرف ظاہری حیثیت میں نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ انھیں ایک امانت اور وفا کے وعدے کے طور پر نبھانا چاہیے۔ مصنف کا خیال ہے کہ قوموں کی زندگی میں اصل اہمیت نظریے اور فکر کی ہوتی ہے۔ عمارتیں وقت کے ساتھ بوسیدہ ہو جاتی ہیں لیکن نظریے زندہ رہتے ہیں۔ مینارِ پاکستان اسی لیے ہمیشہ زندہ رہے گا کہ یہ نظریے کی علامت ہے، یہ مسلمانوں کی قربانیوں اور خوابوں کا نشان ہے۔

؎ دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی الفت میری مٹی سے بھی خوش بوئے وفا آئے گی

عبارت نمبر 2

مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں جب میرا، اُس کی تعمیر سے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا میں محض تعلقِ خاطر کے واسطہ سے وہاں جا پہنچا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں، باغ میں ہر طرف ملبہ پھیلا ہوا تھا، مینار بلندی کی طرف مائل تھا، روکار بانسوں کی باڑ میں یوں چھپی ہوئی تھی کہ عمارت تو نظر نہ آئی مگر اُردو شاعری میں چلمن کا مقام مجھ پر واضح ہو گیا۔ نزدیک جانا چاہا تو چوکی دار نے سختی سے روک دیا۔ یہ تو اس چوکی دار کا ہم سر نکلا جسے مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو ٹوک دینے پر آثارِ قدیمہ سے نکال کر چند ہم عصروں میں شامل کر لیا تھا۔ اب کہاں روز روز عبدالحق پیدا ہوں گے اور کسے فرصت ہو گی کہ عصرِ نو کے ملبے میں عزتِ نفس کی تلاش کرے اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات پر مضمون لکھا کرے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر میں بطور صدر اپنی پہلی شرکت کے موقع پر وہ پیشہ ورانہ فرائض اور جذباتی وابستگی میں ہم آہنگی تلاش کر رہے تھے۔ برنارڈ شا کے قول کے مطابق، وہ فرض اور خواہش کے ملاپ کو ہی خوش بختی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مینار صرف ایک عمارت نہیں، بلکہ تحریکِ پاکستان کے افکار کی تعبیر اور ایک نئی دنیا کی تعمیر کا عظیم روحانی مشاہدہ ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ یادگار کا مقصد فنا نہیں بلکہ تاریخ اور زندگی کے مثبت پہلوؤں کی عکاسی ہونا چاہیے۔ مینارِ پاکستان اسی نظریے کا عملی نمونہ ہے جو ایک نظریاتی علامت کے طور پر قائم کیا گیا۔ وہ قدیم دفاعی میناروں اور دیوارِ چین کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں کہ انسانی ارتقا اور ٹیکنالوجی نے شجاعت کے روایتی انداز بدل دیے ہیں۔ یہ مینار محض عمارتیں نہیں، بلکہ ہماری قوم کی اجتماعی پہچان اور سرفرازی کا نشان ہیں۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

مصنف اس عبارت میں مینارِ پاکستان کی تعمیر کے ابتدائی دنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب مینار کی تعمیر کا آغاز ہوا تو ان کا اس منصوبے سے کوئی سرکاری یا عملی تعلق نہیں تھا۔ وہ کسی سرکاری ذمہ داری کے تحت وہاں نہیں گئے تھے بلکہ صرف اپنی دل چسپی

اور تعلقِ خاطر کی وجہ سے وہاں پہنچے تھے۔ انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ جن چیزوں سے اس کا دلی لگاؤ ہوتا ہے، ان کی ترقی اور تعمیر کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ مصنف بھی مینارِ پاکستان کی تعمیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے کیوں کہ یہ عمارت آزادی کی یادگار تھی اور ان کے دل میں اس کے لیے ایک خاص محبت موجود تھی۔ وطن کی محبت کا یہ جذبہ پکار پکار کر یہ اعلان کر رہا ہے:

؎ تیری پیاری سج دھج کی ہم اتنی شان بڑھائیں آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گن گائیں

جب وہ وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ مینار کی بنیادیں ڈالی جا چکی ہیں اور اب تعمیر بلندی کی طرف جا رہی ہے۔ کسی بھی عمارت کی اصل طاقت اس کی بنیادوں میں ہوتی ہے۔ بنیاد جتنی مضبوط ہو، عمارت اتنی ہی پائیدار بنتی ہے۔ مینار کی بنیادوں کا مکمل ہونا دراصل اس خواب کی تکمیل کی علامت تھا جو برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کے حصول کے لیے دیکھا تھا۔ مگر اس وقت باغ کی حالت یہ تھی کہ ہر طرف ملبہ پھیلا ہوا تھا۔ اینٹیں، پتھر، چونا، ریت اور باقی تعمیراتی سامان جگہ جگہ بکھرا پڑا تھا۔ یہ منظر بظاہر بدصورت اور بے ترتیبی کا تھا لیکن حقیقت میں کسی بھی تعمیر کا لازمی حصہ ہے۔ جس طرح ایک خواب کو حقیقت بنانے کے لیے مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں اور محنت کرنا پڑتی ہے، اسی طرح کسی بڑی عمارت کی تعمیر میں بھی ابتدا میں گندگی اور ملبہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف مزید بتاتے ہیں کہ اس وقت مینار ایک رُوکار یعنی بانسوں کی باڑ میں چھپا ہوا تھا۔ باہر سے دیکھنے والے کو مینار نظر نہیں آتا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ذہن میں اردو شاعری کا ایک معروف استعارہ ابھرا۔ اردو شاعری میں محبوب اکثر چلمن کے پیچھے چھپا دکھایا جاتا ہے۔ چلمن دراصل ایک باریک پردہ یا اوٹ کو کہتے ہیں جس کے پیچھے سے محبوب کبھی جھانکتا ہے تو کبھی چھپ جاتا ہے۔ اس جھلک سے شاعر کے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اسے اشعار میں بیان کرتا ہے۔ مصنف کو بھی جب مینار بانسوں کی باڑ میں چھپا نظر آیا تو ان کے ذہن میں چلمن کا تصور ابھرا۔ یوں ایک عام منظر ادب اور شاعری کے حسن میں بدل گیا۔ بقول داغ دہلوی:

؎ خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
نگاہِ شوخ و چشمِ شوق میں در پردہ چھنتی ہے کہ وہ چلمن میں ہیں، نزدیک ہم چلمن کے بیٹھے ہیں

مصنف قریب جا کر مینار کو دیکھنا چاہتے تھے لیکن چوکی دار نے انھیں روک دیا۔ چوکی دار نے سختی سے کہا کہ آگے جانا منع ہے۔ یہ واقعہ بظاہر معمولی سا تھا لیکن مصنف نے اسے نہایت دل چسپ اور طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ چوکی دار کے ٹوکنے پر اسے وہ چوکی دار یاد آ گیا جس کا ذکر مولوی عبدالحق نے کیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''چند ہم عصر'' میں ''گدڑی کا لال، نور خان'' کے عنوان سے ایک عام سپاہی یا چوکی دار نور خان کا خاکہ لکھا ہے۔ نور خان کے وائسرائے ہند لارڈ کرزن کو ٹوکنے کا واقعہ کتاب میں یوں درج ہے: ''لارڈ کرزن جب قلعہ کے اوپر بالا حصار گئے تو وہاں ستانے کے لیے کرسی پر بیٹھ گئے اور جیب سے سگریٹ دان نکال کر سلگایا ہی تھا کہ یہ فوجی سلامی کر کے آگے بڑھے اور کہا یہاں سگرٹ پینے کی اجازت نہیں ہے۔ لارڈ کرزن نے جلتا ہوا سگرٹ نیچے پھینک دیا اور جوتے سے رگڑ ڈالا۔'' یہ نور خان کی خودداری اور جرأت کی نشانی تھی۔ وہ کسی بڑے عہدے یا طاقت کو خاطر میں نہ لایا بلکہ اپنے فرض کو نبھایا۔ مولوی عبدالحق نے اس واقعے کو اتنی اہمیت دی کہ اس چوکی دار کا خاکہ لکھ کر اسے بڑے لوگوں میں شامل کر دیا۔ گویا ایک چھوٹے سے عمل نے اسے بڑا مقام دلایا۔

مصنف کہتے ہیں کہ اب کہاں ایسے لوگ جو چھوٹے چھوٹے واقعات کو اہمیت دے کر ان سے بڑے سبق اخذ کریں۔ آج کے دور میں لوگ اتنے مصروف ہیں کہ وہ ان چھوٹی باتوں پر غور ہی نہیں کرتے۔ آج کے زمانے میں انسان عصرِ نو کے تقاضوں میں اس قدر الجھ چکا ہے کہ اسے عزتِ نفس کی تلاش یا چھوٹے چھوٹے تجربات میں حکمت ڈھونڈنے کی فرصت ہی نہیں۔

؎ مصروفیت کا مجھ پہ یوں حملہ ہوا کہ اب خود اپنے آپ کو بھی میسر نہیں ہوں میں (ابرِ مومن)

اس عبارت میں بظاہر ایک سادہ سا واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس کے اندر کئی گہرے مفاہیم چھپے ہوئے ہیں۔ مینارِ پاکستان کی تعمیر کا ذکر دراصل ایک عمارت کی تعمیر سے بڑھ کر ایک خواب کی تعبیر ہے۔ یہ خواب تھا آزادی کا خواب، خودداری کا خواب

اور ایک ایسی قوم کی امید جس نے قربانیاں دے کر اپنا وطن حاصل کیا۔ مینار کی بنیادوں کا ڈالا جانا دراصل ان قربانیوں اور خوابوں کی مضبوط بنیاد کی علامت ہے۔ ملبے کا پھیل جانا مشکلات اور رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو ہر بڑے مقصد کے حصول میں آتی ہیں۔

مختصر یہ کہ مصنف نے اس عبارت میں نہایت سادہ مگر مؤثر انداز اختیار کیا ہے۔ اس کی زبان میں روانی بھی ہے اور دل کشی بھی۔ وہ قاری کو ایک عام منظر سے اٹھا کر ادب، شاعری، تاریخ اور فلسفے کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ اس کی نکتہ سنجی قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یوں یہ تحریر نہ صرف ایک مشاہدہ بیان کرتی ہے بلکہ ایک پیغام بھی دیتی ہے کہ عزت نفس اور خودداری کی حفاظت سب سے ضروری ہے، اور اس کے بغیر کسی قوم کی تعمیر ممکن نہیں۔

عبارت نمبر 3

میں نے چوکی دار سے پوچھا: یہ کیا بن رہا ہے؟ کہنے لگا: یادگار بن رہی ہے۔ آج جب کارروائی کے لیے پہلا مسئلہ پیش ہوا تو میں نے کہا، اسے ملتوی کیجیے تاکہ ایک اور ضروری بات پر بحث ہو سکے۔ میز پر لغات کا ڈھیر لگ گیا۔ سب متفق ہوئے کہ یادگار وہ نشانِ خیر ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ جب یادگار کا عام تصور، موت اور فنا کے تصور سے جدا نہ پایا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ خارج کر دیا۔ میز صاف کی گئی، لغات کی جگہ مینارِ قراردادِ پاکستان کے نقشے پھیلائے گئے۔ جو تھوڑی بہت جگہ بچ گئی اس میں چائے کی پیالیاں سجائی گئیں۔ چائے شروع ہوئی تو بات بہت دور جا نکلی۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی صدارت ان کے لیے محض ایک سرکاری فرض نہیں، بلکہ ایک قلبی عہد تھا۔ وہ اسے محض سنگ وخشت کی عمارت کے بجائے ایک نئی سوچ کی تعبیر سمجھتے تھے۔ تعمیر کے دوران میں بانسوں میں چھپا مینار اور چوکیدار کا سخت رویہ انھیں ماضی کے ادبی منظرنامے اور عزتِ نفس کے کھوئے ہوئے وقار کی یاد دلا گیا۔ یہ واقعہ ان کے لیے عہدِ نو کے بدلتے رویوں کا عکاس بنا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ عمارتوں کی تعمیر ان کے مقصد اور محلِ وقوع سے جڑی ہوتی ہے۔ اہرامِ مصر سے مینارِ پاکستان تک، ہر مینار اپنے عہد کی ضروریات اور نظریات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ دفاعی ضرورتوں سے شروع ہونے والے میناروں کی تاریخ، ان کی علامتی حیثیت اور ارتقا کو مختلف تہذیبوں کے تناظر میں بیان کرتے ہیں۔ یہ سب انسانی تہذیب کی ترقی اور بدلتے ہوئے تقاضوں کا غماز ہے، جو تاریخ اور جغرافیہ کو جوڑتا ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور وفکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ جب مینارِ پاکستان کی تعمیر کا آغاز ہوا تو ایک دن انھوں نے وہاں کھڑے ایک چوکیدار سے پوچھا کہ یہاں کیا بن رہا ہے؟ چوکیدار نے سادہ لہجے میں کہا کہ یہاں یادگار بن رہی ہے۔ یہ بات سنتے ہی مصنف کے دل میں سوالات پیدا ہوئے کہ آخر کیا واقعی یہ ایک یادگار ہے؟

یادگار کا لفظ عام طور پر ان چیزوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کسی واقعے، کسی شخصیت یا کسی فنا شدہ حقیقت کی یاد میں بنائی جائیں۔ دنیا میں کئی یادگاریں ہیں، جیسے تاج محل، جو ایک بیوی کی یاد میں بنایا گیا۔ اسی طرح جنگوں کے شہدا کی یادگاریں ہیں، جو محض ماضی کے نشان ہیں۔ اس وقت مصنف کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر ہم مینارِ پاکستان کو بھی ایک یادگار کہیں تو یہ ایسا ہوگا جیسے ہم اسے موت اور فنا کی علامت بنا رہے ہیں۔

اجلاس میں جب یہ بات سامنے آئی تو سب نے لغات کھول کر یادگار کے معانی دیکھے۔ سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ یادگار وہ نشانی ہے جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہتی ہے۔ یہاں مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کیا مینارِ پاکستان کو صرف ماضی کی ایک یاد سمجھا جائے؟ یہ بات کسی طرح بھی درست نہ تھی۔ مینارِ پاکستان تو زندگی کی علامت ہے، یہ مستقبل کی امید ہے، یہ غلامی کی زنجیریں توڑنے کے بعد آزادی کا اعلان ہے۔ اسی لیے فیصلہ کیا گیا کہ اس منصوبے میں یادگار کا لفظ شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ صرف ''مینار'' ہوگا، جو قراردادِ پاکستان کا، مسلمانوں کے خواب کا اور ایک آزاد قوم کے قیام کا اعلان ہے۔ اس فیصلے کے بعد میز صاف کی گئی، لغات ہٹادی گئیں اور ان کی جگہ مینارِ قراردادِ پاکستان کے نقشے رکھ دیے گئے۔ یہ وہی قرارداد تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کا خواب دیا تھا اور انھیں ایک سمت دی تھی۔ میز کے خالی حصے پر چائے کی پیالیاں سج گئیں اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو رسمی گفت گو سے ہٹ کر زندگی کے دوسرے پہلوؤں تک جا پہنچا۔

؎ بات جب بات سے نکلتی ہے　　بات شبہات سے نکلتی ہے
بات وہ حاملِ سبق ہے جو　　گزرے حالات سے نکلتی ہے　　(فخرالدین غوری فیضؔ)

اس واقعے میں بڑی سادگی ہے لیکن اس کے اندر گہری بصیرت بھی ہے۔ ایک لفظ پر غور کرنے سے ایک پوری فکری دنیا سامنے آتی ہے۔ یادگار کا مطلب ہمیشہ موت اور ماضی کی یاد سے جڑا رہا ہے۔ تاج محل کو یادگار کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ ایک مرنے والی بیوی کی یاد میں بنایا گیا تھا۔ جنگوں میں شہید ہونے والوں کی یادگاریں کھڑی کی جاتی ہیں تاکہ لوگ ان کی قربانیوں کو یاد رکھیں۔ یہ سب یادگاریں ماضی کی ہیں، وہ ماضی جو ختم ہو چکا ہے۔ مگر مینارِ پاکستان ایک ایسی حقیقت ہے جو محض ماضی نہیں بلکہ مستقبل کی ضمانت ہے۔ یہ صرف ایک دن یعنی 23 مارچ 1940ء کی یاد نہیں بلکہ ایک قوم کی زندگی اور آزادی کی علامت ہے۔ اس کے ساتھ موت کا نہیں بلکہ زندگی کا تصور جڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مینارِ پاکستان کو یادگار کہنا مناسب نہیں تھا۔ اگر اسے یادگار کہا جاتا تو گویا یہ مان لیا جاتا کہ وہ خواب جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دیں، وہ ختم ہو گیا، وہ ماضی بن گیا۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ خواب ایک نئی زندگی کا آغاز تھا۔ پاکستان کا قیام اور اس کی حقیقت کسی یادگار کے محدود تصور میں قید نہیں ہو سکتی۔

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ الفاظ کے انتخاب میں احتیاط بہت ضروری ہے۔ کبھی کبھی ایک لفظ پوری فضا بدل دیتا ہے۔ اگر مینارِ پاکستان کو یادگار کہا جاتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ یہ محض ماضی کا نشان ہے۔ لیکن جب اسے مینار کہا گیا تو اس میں زندگی، روشنی، امید اور مستقبل کا تصور بھی سما گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مینارِ پاکستان آج بھی ہمارے دلوں میں ایک زندہ حقیقت کی طرح موجود ہے۔ بقول شاعر:

؎ یہ مرے قائد کی جیتی جاگتی تصویر ہے　　شاعرِ مشرق کے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے

یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ یہ ملک ماضی کی کوئی داستان نہیں بلکہ ایک مسلسل سفر ہے، ایک عہد ہے جسے آج بھی نبھانا ہے۔ مینارِ پاکستان محض پتھر اور سیمنٹ کا ڈھانچہ نہیں، یہ ایک خواب کی تعبیر ہے۔ یہ اس عہد کی علامت ہے جو مسلمانوں نے 23 مارچ 1940ء کو کیا تھا کہ ہم ایک علیحدہ وطن لیں گے، جہاں ہم آزادی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں گے۔ یہ مینار اس عظیم عہد کا گواہ ہے۔ اگر اسے یادگار کہا جاتا تو یہ پیغام محدود ہو جاتا۔ لیکن جب اسے مینار کہا گیا تو یہ پیغام آنے والی نسلوں تک پہنچا کہ یہ محض ایک یاد نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ جو ہمیشہ ہمارے دلوں میں وطن کی محبت کو زندہ رکھے گی۔ وطن کی محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں:

حُبُّ الْوَطَنِ مِنْ طِيْبِ الْمَوْلِدِ

ترجمہ: ''وطن کی محبت اچھی فطرت و جبلت کی نشانی ہے۔''

اس مینار کو دیکھ کر آج بھی ہر پاکستانی کے دل میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے، ایک جذبہ جاگتا ہے۔ یہ صرف ماضی کی یاد نہیں دلاتا بلکہ مستقبل کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کتنی قربانیاں دیں اور ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہم ان قربانیوں کے بدلے کیا کر رہے ہیں۔ یہ محض خاموش پتھروں کا ڈھیر نہیں بلکہ ایک بولتا ہوا نشان ہے جو آج بھی ہمیں پکار رہا ہے کہ اپنے عہد کو یاد رکھو۔

؎ اس کی بنیادوں میں ہے تیرا لہو، میرا لہو اس سے تیری آبرو ہے، اس سے میری آبرو
اس سے تیرا نام ہے، اس سے مری پہچان ہے اس پہ دل قربان، اس پہ جان بھی قربان ہے

مختصر یہ کہ مصنف نے نہایت خوب صورتی سے یہ دکھایا ہے کہ چھوٹی سی بات سے بڑی حقیقتیں جنم لیتی ہیں۔ ایک چوکیدار کے سادہ جواب نے ایک پوری فکری بحث کو جنم دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مینارِ پاکستان محض ایک یادگار نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ قومیں جب خواب دیکھتی ہیں اور قربانیاں دیتی ہیں تو پھر ان کے خواب زندہ رہتے ہیں، وہ محض یادگاروں میں تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ مینار اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان محض ماضی کی بات نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے، جسے آنے والی نسلوں تک پہنچانا ہے۔

عبارت نمبر 4

کہتے ہیں جب اہرامِ مصر کا معمار موقع پر پہنچا تو اس نے صحرا کی وسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اس نے بُھربُھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرے چمکنے لگے تو اسے خیال آیا کہ اس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بجائے اگر جذب کر لے تو کیا اچھا تقابل ہوگا۔ ہوا چلی تو اُسے ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اُس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اُسے طمانیت حاصل نہ ہوئی تو اُس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے وہ کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائیدار مکان بنا دے۔ اب جو یہ مکان بنا تو لوگوں نے دیکھا کہ عجائبِ عالم کی فہرست میں اضافہ ہو گیا ہے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے اسے محض سنگ و خشت کی عمارت نہیں، بلکہ تحریکِ پاکستان کے افکار کی تعبیر سمجھا۔ وہ تعمیر کے ابتدائی دور میں اپنی جذباتی وابستگی کا ذکر کرتے ہیں۔ جب مجلس میں اسے محض ''یادگار'' پکارنے پر بحث ہوئی تو مصنف نے استدلال کیا کہ یہ تصور موت سے جڑا ہے، لہٰذا انھوں نے اسے خارج کر کے قراردادِ پاکستان کی اہمیت اجاگر کی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر اور اس کی ہیئت کا فیصلہ ایک مشکل مرحلہ تھا، جسے قراردادِ پاکستان کی علامت کے طور پر مینار کی صورت دی گئی۔ یہ مینار نظریاتی دفاع اور تاریخ کا گواہ ہے۔ وہ دیوارِ چین اور قدیم میناروں کے تجربات بیان کرتے ہوئے افسوس کرتے ہیں کہ جدید ترقی نے جفاکشی اور انفرادی شجاعت کے ان مظہروں کی اہمیت بہت کم کر دی ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

یہ عبارت دراصل ایک معمار کے سوچنے اور سمجھنے کے عمل کی کہانی ہے جو اہرامِ مصر کی تعمیر کے وقت اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی عمارت کس طرح کی ہونی چاہیے۔ مصری اہرام دنیا کے عجائبات میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی عظمت کا راز صرف پتھروں اور اینٹوں میں نہیں بلکہ اس سوچ اور فلسفے میں ہے جو ان کے معماروں نے اپنے تخلیقی عمل میں شامل کی۔ اس عبارت میں معمار کا ذہنی سفر دکھایا گیا ہے کہ وہ کس طرح فطرت کو دیکھ کر اپنی عمارت کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے اور آخر کار ایک ایسی تعمیر کرتا ہے جو نہ صرف ایک شاہکار بن جاتی ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے۔

؎ محنت سے ہے عظمت کہ زمانے میں نگیں کو بے کاوشِ سینہ نہ کبھی ناموری دی (بہادر شاہ ظفر)

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ جب معمار اہرام بنانے کے لیے صحرائے مصر پہنچا تو اس نے دیکھا دور

دور تک ریت ہی ریت ہے اور آسمان کے ساتھ مل کر ایک عجیب سا منظر بن رہا ہے۔ یہ منظر کسی بھی دیکھنے والے کو حیران کر دیتا ہے۔ معمار کے دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ اس جگہ جو عمارت بنائی جائے وہ بہت بڑی اور بلند ہونی چاہیے تاکہ اس کی عظمت بھی اس صحرا کی وسعت جیسی محسوس ہو۔ یہاں انسان کی فطرت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو دیکھ کر فیصلے کرتا ہے اور اکثر فطرت کی وسعت انسان کو بھی کچھ بڑا کرنے کی تحریک دیتی ہے۔

؎ وسعتِ صحرا بھی منہ اپنا چھپا کر نکلی ساری دنیا میرے کمرے کے برابر نکلی (منور رانا)

جب اس نے ریت کو ہاتھ میں لیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ ریت تو نرم اور ڈھیلی ہے، اس پر اگر کوئی بڑی عمارت بنائی گئی تو وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گی۔ یہ سوچ کر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ عمارت کو مضبوط اور سنگلاخ بنایا جائے کیوں کہ اگر بنیاد مضبوط نہ ہو تو بڑی سے بڑی تعمیر بھی دیرپا نہیں ہو سکتی۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ سورج کی روشنی میں ریت کے ذرے چمک رہے ہیں تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر عمارت ایسی ہو جو روشنی کو منعکس کرنے کی بجائے جذب کر لے تو وہ زیادہ خوب صورت اور منفرد ہو گی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معمار صرف مضبوطی پر نہیں بلکہ جمالیات پر بھی غور کر رہا ہے۔ یعنی ایک اچھی تعمیر صرف مضبوط نہیں بلکہ دیدہ زیب بھی ہونی چاہیے۔

جب ہوا چلتی ہے اور ٹیلے بنتے اور بگڑتے ہیں تو معمار ان قدرتی شکلوں کو دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی عمارت کو بھی نوک اور زاویے دیے جائیں تاکہ وہ قدرتی مناظر سے ہم آہنگ ہو۔ یہ مشاہدہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فطرت ہی اصل استاد ہے۔ انسان جب اپنی آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے تو اسے ہر منظر سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک معمار ٹیلوں کے بدلتے ہوئے نیم دائرے کو دیکھ کر اپنی تعمیر کے لیے نیا ڈیزائن سوچتا ہے۔ اسی طرح ایک عام انسان بھی اپنی زندگی کے تجربات اور فطرت کے مظاہر کو دیکھ کر اپنی راہ متعین کر سکتا ہے۔ ان تمام فیصلوں کے باوجود معمار کو مکمل اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے کہ زندگی تو بہت مختصر ہے، انسان کے پاس زیادہ وقت نہیں۔ پھر وہ یہ طے کرتا ہے کہ کیوں نہ موت کے لیے ایک ایسا مکان بنایا جائے جو عظیم اور پائیدار ہو، جو وقت کی گردشوں سے متاثر نہ ہو۔ انسان جانتا ہے کہ زندگی فانی ہے لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا نام اور اس کی یاد ہمیشہ باقی رہے۔ اسی لیے وہ کوئی ایسا کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جو وقت گزرنے کے باوجود ختم نہ ہو۔ اہرامِ مصر دراصل اسی سوچ کی علامت اور انسان کی بے پناہ صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

؎ خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہُنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں (علامہ اقبالؒ)

جب اہرام تیار ہو جاتے ہیں تو لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ کتنا عظیم کارنامہ ہے۔ وہ حیران رہ جاتے ہیں اور انھیں دنیا کے عجائبات میں شمار کرنے لگتے ہیں۔ دراصل یہ اس بات کی علامت ہے کہ جب انسان اپنے ماحول کو دیکھ کر، حقیقت کو سمجھ کر، فطرت سے سبق سیکھ کر اور اپنی موت کو یاد رکھ کر کوئی کام کرتا ہے تو وہ اتنا عظیم بن جاتا ہے کہ دنیا اسے ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔ یہ محض پتھروں کی عمارت نہیں رہتی بلکہ ایک فکری اور تخلیقی وراثت بن جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک عظیم عمارت صرف پتھروں اور اینٹوں سے نہیں بنتی بلکہ اس سوچ اور فلسفے سے بنتی ہے جو اس کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے۔ انسان جب اپنے ماحول کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے، فطرت سے سبق لیتا ہے، حقیقت کو سمجھتا ہے اور اپنی عارضی اور مختصر زندگی کو سامنے رکھ کر کوئی کام کرتا ہے تو اس کا کام ہمیشہ کے لیے زندہ رہتا ہے۔ یہی اہرامِ مصر کی اصل کہانی ہے اور یہی اس عبارت کا مرکزی پیغام بھی ہے۔

عبارت نمبر 5

اہرام کے معمار کو اگر اقبال پارک میں لا کھڑا کرتے تو اسے نہ جانے کیا کچھ نظر آتا اور وہ اس عمارت کو نہ معلوم کیا شکل دیتا۔ اُس کی غیر حاضری میں ہمیں یہ طے کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی کہ قرار دادِ پاکستان کو علامت اور عمارت کے طور پر کیا صورت دی جائے۔ باغ، جھیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار؟ فہرست کچھ اسی قسم کی

بنی تھی اور بحث و تمحیص کے بعد کامیابی کا سہرا سرِ مینار سجایا گیا۔ موقع و محل کی نسبت ہو یا صورت و ساخت کی نسبت؛ ماہرین کا متفق ہونا ممکن نہیں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے اسے محض عمارت نہیں، بلکہ تحریکِ پاکستان کی زندہ تعبیر سمجھا۔ وہ یادگار کو فنا سے نہیں، دائمی نصب العین سے جوڑتے ہیں۔ اہرامِ مصر کے معمار کی تخلیقی بصیرت کا حوالہ دے کر وہ اس نکتے کو اجاگر کرتے ہیں کہ کسی بھی عظیم تعمیر کا مقصد انسانی زندگی کو ایک پائیدار شکل عطا کرنا ہوتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان ہماری تحریکِ آزادی، نظریاتی دفاع اور تاریخ کا منفرد نشانِ خیر ہے۔ مینار کا تاریخی سفر دفاعی ضرورت سے علامتی اور دینی ستون تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ اپنے تجربات سے دیوارِ چین، قبائلی علاقوں کے قدیم مٹی کے میناروں اور ساحلی روشن میناروں کی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ترقی نے جفاکشی اور انفرادی شجاعت کو غیر ضروری بنا دیا ہے۔ آخر میں لنکا کا روشن مینار ایک جغرافیائی استعارہ لگتا ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ جب قراردادِ پاکستان کی یادگار بنانے کا فیصلہ ہوا تو سب سے بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ اس یادگار کی شکل اور صورت کیا ہونی چاہیے۔ یادگار کوئی عام عمارت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک قوم کے جذبات، تاریخ اور خوابوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ ایسی یادگار تعمیر کی جائے جو صرف پتھروں اور اینٹوں کا ڈھانچہ نہ ہو بلکہ آنے والی نسلوں کو یہ احساس دلاتی رہے کہ یہ ملک کس مقصد اور کس جدوجہد کی بدولت وجود میں آیا۔

؎ تیری پیاری سج دھج کی ہم اتنی شان بڑھائیں آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گُن گائیں

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ اگر اہرامِ مصر کا معمار اقبال پارک میں موجود ہوتا تو نہ جانے وہ اس یادگار کو کس نظر سے دیکھتا اور اسے کیسی شان دار عمارت کی صورت دیتا۔ یہ جملہ دراصل ایک مثال ہے جس کے ذریعے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ دنیا کی بعض قوموں نے ایسی عظیم یادگاریں بنائیں جنھیں دیکھ کر آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ اہرامِ مصر ہزاروں سال پرانے ہیں لیکن آج بھی اپنی شان و عظمت میں بے مثال ہیں۔ ان کے بنانے والے انجینئرز اور کاریگر اتنی مہارت رکھتے تھے کہ ان کی تعمیرات وقت کے ہر امتحان پر پوری اترتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ اگر ایسا کوئی ماہر معمار مینارِ پاکستان بناتا تو شاید وہ اور بھی عظیم، شان دار اور دل کش عمارت تعمیر کر دیتا۔

؎ میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر پھر بھی ترا شباب ترا ہی شباب ہے (جگر مرادآبادی)

اصل مسئلہ یہ تھا کہ قراردادِ پاکستان کو ایک یادگار کی شکل میں کیسے زندہ رکھا جائے کیوں کہ قرارداد محض ایک تحریر نہیں تھی بلکہ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی علامت تھی۔ اسی قرارداد کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا اور لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دے کر اپنے خواب کو حقیقت بنایا۔ اس لیے جب اس عظیم موقع کو یادگار بنانا تھا تو سب سے پہلے یہی سوچا گیا کہ آخر کس طرح کی عمارت یا علامت اس تاریخی واقعے کی ترجمان ہو سکتی ہے۔ یادگار کی شکل پر غور کیا گیا تو مختلف تجاویز سامنے آئیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ایک باغ بنایا جائے۔ باغ ہمیشہ خوشی، سکون اور خوب صورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اگر ایک خوب صورت باغ بنایا جاتا تو لوگ وہاں آ کر لطف اندوز ہوتے اور یہ جگہ ایک پُرکشش مقام بن جاتی۔ لیکن اس پر اعتراض یہ تھا کہ باغ عام طور پر ہر شہر میں پایا جاتا ہے اور وہ اتنی عظیم جدوجہد کی علامت نہیں بن سکتا۔ کچھ لوگوں نے جھیل بنانے کی تجویز پیش کی۔ جھیل پانی کی صورت میں حسن

اور سکون بخشتی ہے۔ اس کے اردگرد آنے والے لوگوں کو تازگی ملتی ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کیا جھیل واقعی قراردادِ پاکستان کی عظمت کو ظاہر کرسکتی ہے؟ جھیل اگرچہ دل کش ہوتی ہے مگر وہ اس تحریک کی علامت نہیں بن سکتی جو قربانی اور عظمت سے عبارت ہے۔

کچھ لوگوں نے فوارہ بنانے کو کہا۔ فوارہ پانی کی روانی اور تازگی کی علامت ہے۔ لیکن فوارہ بھی ایک عام سا منظر ہوتا ہے جو دنیا کے کئی شہروں میں پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ بھی اس عظیم موقع کی مکمل نمائندگی نہ کرسکتا۔ ایک رائے یہ بھی آئی کہ مسجد بنائی جائے۔ مسجد یقیناً ایک بہت عظیم اور مقدس عمارت ہے۔ مسلمانوں کی اصل شناخت اور دین کی بنیاد مسجد ہے۔ اگر مسجد بنائی جاتی تو یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس یادگار کے ساتھ ہی ایک تاریخی مسجد پہلے ہی موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے کتب خانہ بنانے کی تجویز دی۔ کتب خانہ علم کی علامت ہے۔ اگر یہاں ایک عظیم کتب خانہ بنایا جاتا تو لوگ تاریخ اور علم سے روشنی حاصل کرتے۔ لیکن یہ بھی زیادہ تر عملی ضرورت پوری کرتا، یادگار کی علامتی حیثیت اتنی نمایاں نہ ہوتی۔ اسی طرح عجائب گھر کا مشورہ دیا گیا۔ عجائب گھر میں آزادی کی تحریک سے متعلق نوادرات اور چیزیں رکھی جاسکتی تھیں۔ لوگ وہاں آکر ماضی کو دیکھتے اور یاد کرتے۔ لیکن یہ بھی ایک عام سی تجویز تھی جو کسی بھی ملک میں اپنائی جاسکتی ہے۔ ہال بنانے کی تجویز بھی آئی تاکہ قومی اجتماعات اور تقریبات وہاں منعقد ہوں۔ ہسپتال کی تجویز بھی پیش کی گئی تاکہ عوام کو فائدہ ہو۔ دروازہ یا گیٹ بنانے کا کہا گیا تاکہ یہ پاکستان کے دروازے کی علامت ہو۔ کسی نے کہا کہ درس گاہ بنائی جائے تاکہ تعلیم کی اہمیت اجاگر ہو۔ ان سب تجاویز کی اپنی اپنی اہمیت تھی، لیکن سوال یہی تھا کہ ان میں سے کون سی تجویز وہ عظمت اور وقار ظاہر کرسکتی ہے جو قراردادِ پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ قرارداد کہ جس نے مسلمانانِ ہند کو آزادی کی روشنی بخشی اور انھیں ایک ایسا وطن عطا ہوا جس کے لیے انھوں نے لاکھوں قربانیاں دیں۔ یہ وطن ان کی امیدوں کا مرکز ہے۔ یہی وہ خطۂ زمین ہے کہ جس کی دھن میں صبح وشام بھی بے تاب تھے۔

؎ کروڑوں رنگتیں کس کے لیے ایام نے بدلیں　　پیاپے کروٹیں کس دھن میں صبح وشام نے بدلیں

؎ یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی امید کی خاطر　　یہ ساری کاہشیں تھیں ایک صبح عید کی خاطر (حفیظ جالندھری)

آخرکار جب تمام پہلوؤں پر غور کیا گیا تو فیصلہ یہ ہوا کہ مینار تعمیر کیا جائے۔ مینار کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ اپنی اونچائی اور شان کی وجہ سے دور سے نمایاں ہوتا ہے۔ مینار ہمیشہ بلندی، عظمت اور استقلال کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں مینار کی خاص اہمیت ہے۔ مسجدوں کے مینار صرف آرائش کے لیے نہیں ہوتے بلکہ ان کا مقصد یہ بھی ہے کہ اذان کی آواز دور تک پہنچے اور دین کی پکار ہر طرف سنی جائے۔ مینار ایک پیغام ہے کہ یہ دین اور یہ مقصد بلند ہے، مینارِ پاکستان اسی سوچ کا نتیجہ ہے۔ جب یہ مینار بنایا گیا تو یہ صرف پتھر اور سیمنٹ کی ایک عمارت نہیں تھی بلکہ یہ اس بات کی علامت تھی کہ مسلمانوں نے اپنی آزادی کے خواب کو حقیقت بنایا اور وہ اپنی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ مینار کی بلندی گویا یہ پیغام دیتی ہے کہ پاکستان کے مقاصد بلند ہیں اور یہ قوم عظمت کی راہ پر گامزن ہے۔

؎ وطن کو ہم عظیم سے عظیم تر بنائیں گے　　ہم اپنے ملک کا وقار روز و شب بڑھائیں گے

عبارت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ مینار کی صورت و ساخت پر ماہرین کبھی متفق نہ ہوسکے۔ کسی کو اس کے ڈیزائن میں خامی نظر آئی، کوئی چاہتا تھا کہ یہ اسلامی طرز پر ہو، کوئی جدید طرز کا حامی تھا۔ بعض لوگ چاہتے تھے کہ دونوں طرزوں کا امتزاج ہو۔ یہ اختلاف فطری تھا کیوں کہ جب بھی کوئی بڑی یادگار بنائی جاتی ہے تو اس میں رائے کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ان اختلافات کے باوجود مینارِ پاکستان مکمل ہوا اور آج یہ قوم کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ مختصر یہ کہ اس عبارت میں مصنف بہت خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ کس طرح یادگار کے لیے مختلف تجاویز پیش ہوئیں، کس طرح ان پر بحث و تمحیص ہوئی، اور کس طرح آخرکار مینار کو منتخب کیا گیا۔ مینار کا انتخاب دراصل ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا کیوں کہ یہ قراردادِ پاکستان کی روح کو سب سے بہتر طریقے سے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آج بھی ہماری آزادی، ہماری قربانیوں اور ہمارے خوابوں کی روشن علامت ہے۔

عبارت نمبر 6

اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں وسعت اور ہریالی، مغرب میں ایک محلّہ، کچھ جھگیاں اور گندہ نالا، جنوب میں قلعہ، گوردوارہ اور مسجدِ عالم گیری واقع ہے۔ سطحِ زمین سے دیکھا جائے تو تین سفید بیضوی، نوک دار گنبد اور چار بلند سرخ پہلودار مینار اس قطعے پر حاوی ہیں۔ ذرا بلندی سے دیکھیں تو اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے چار مینار بھی اس منظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آٹھ میناروں کے ہوتے ہوئے نویں مینار کا اضافہ کسی نے حُسن جانا اور کسی نے بدذوقی۔ اس بات کو البتہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت اپنی نسبت کی حیثیت سے منفرد ہے۔ دنیا میں کہیں کسی قرارداد کو منظور کرنے کی یاد اس طرح نہیں منائی گئی کہ جلسہ گاہ میں ایک مینار تعمیر کر دیا جائے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر محض سنگ و خشت کا کام نہیں، بلکہ قومی تحریک اور فکری تجدید کی عملی تعبیر ہے۔ وہ "یادگار" کے لفظ کو فنا سے تعبیر کرتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ اہرامِ مصر کی مثال سے متاثر ہو کر، طویل غور و خوض کے بعد ماہرین نے اس عظیم تاریخی عہد کو ایک بلند مینار کی صورت دینے کا فیصلہ کیا، تاکہ یہ قومی شعور کی ابدی علامت بن سکے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مینار تاریخ کے مختلف ادوار میں دفاع، علامت، دین کی سربلندی اور خیر کے نشان کے طور پر ارتقا پذیر رہے ہیں۔ قدیم دفاعی میناروں سے لے کر دیوارِ چین اور قبائلی علاقوں کے میناروں تک، یہ سفر انسانی تاریخ اور بدلتے ہوئے فنِ حرب کا عکاس ہے۔ انھوں نے روشن میناروں کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ جدید ترقی نے جہاں سہولتیں دی ہیں، وہیں انسانی جفاکشی اور انفرادی شجاعت کو غیر ضروری بنا دیا ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف مینارِ پاکستان کے مقام، اس کے اردگرد کے مناظر اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مینارِ پاکستان صرف ایک عمارت نہیں بلکہ ایک قوم کی تاریخ، خوابوں اور قربانیوں کی یادگار ہے۔ اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ مینارِ پاکستان کہاں اور کس ماحول میں واقع ہے، جب ہم اسے مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں کیا کچھ نظر آتا ہے اور لوگ اس کی تعمیر کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ یہ مینار لاہور کے مشہور اور وسیع اقبال پارک میں واقع ہے۔ اس کے مشرق اور شمال میں ہریالی اور کھلا میدان ہے۔ یعنی اگر مینار کے پاس کھڑے ہو کر مشرق اور شمال میں دیکھیں تو سبزہ، درخت اور باغات نظر آئیں گے۔ یہ منظر خوش نما بھی ہے اور دل کو سکون دینے والا بھی۔ یہ منظر احساس دلاتا ہے کہ وطن کی سرزمین اگر آباد اور سرسبز ہو تو دل کو کتنا سکون ملتا ہے۔ جب کہ مغرب کی طرف دیکھتے ہیں تو وہاں ایک محلّہ، جھگیاں اور ایک گندہ نالہ موجود ہے۔ یہ منظر بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف ہریالی اور خوب صورتی ہے اور دوسری طرف غربت، کچی آبادیاں اور گندگی ہے۔ یہ تضاد لاہور کے اس وقت کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ یعنی ایک طرف ترقی اور خوش حالی کی جھلک ہے اور دوسری طرف پسماندگی اور مسائل۔ جنوبی سمت میں تاریخی ورثے کی جھلک ملتی ہے۔ وہاں لاہور کا قلعہ نظر آتا ہے جو مغلیہ دور کی شان و شوکت کا نشان ہے۔ اس کے قریب گوردوارہ ہے جو سکھ دور کی یادگار ہے۔ ساتھ ہی مسجدِ عالم گیری ہے جو مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے بنوائی تھی۔ یہ سب عمارتیں اپنی اپنی تاریخ رکھتی ہیں اور مختلف مذاہب اور ثقافتوں کی نمائندگی کرتی ہیں کیوں کہ برصغیر ہمیشہ مختلف مذاہب اور قومیتوں کا گہوارہ رہا ہے۔ پاکستان بھی مختلف قومیتوں کا مسکن ہے لیکن یہاں کے ہر فرد کا دل صرف پاکستان کے لیے دھڑکتا ہے۔

ہر دل کے افق پر ہے چاند ایک ستارہ ایک ۔ ہے کلمہ بھی واحد، پرچم بھی ہمارا ایک

تشریح طلب عبارت میں مصنف مزید بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی اپنی شکل وصورت پر غور کریں تو زمین سے دیکھنے پر یہ تین سفید بیضوی اور نوک دار گنبدوں اور چار سرخ میناروں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ڈیزائن نہ صرف فنِ تعمیر کی خوب صورتی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اسے منفرد بھی بناتا ہے۔ اگر اسے تھوڑی بلندی سے دیکھیں تو منظر اور وسیع ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اندرونِ شہر کے ساتھ ساتھ دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے چار مینار بھی نظر آتے ہیں۔ گویا مینارِ پاکستان اکیلا نہیں کھڑا بلکہ ایک وسیع تاریخی منظر کا حصہ ہے۔ اس جگہ پہلے ہی آٹھ مینار موجود ہیں، یعنی جہانگیر کے مقبرے کے چار مینار اور مینارِ پاکستان کے گرد چار چھوٹے مینار۔ جب ایک نیا مینار، یعنی مینارِ پاکستان بنایا گیا تو یہ نواں مینار ہوا۔ لوگوں کی مختلف آراء سامنے آئیں۔ کچھ نے کہا کہ اس سے منظر کا حسن بڑھ گیا ہے اور کچھ نے کہا کہ یہ غیر ضروری اور بدذوقی ہے۔ لیکن سب نے ایک بات مان لی کہ مینار اپنی نسبت سے منفرد ہے۔ کیوں کہ یہ مینار قراردادِ لاہور کی یادگار ہے۔ یہ مینار اس عظیم قرارداد کی یاد دلاتا ہے کہ جس کی منظوری کے وقت قائدِ اعظمؒ نے اپنے تاریخی خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا:

''ہمارا نصب العین واضح ہے، ہم ایک ایسی آزاد، خودمختار مملکت چاہتے ہیں جہاں ہم اسلامی اصولوں اور روایات کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں۔''

یہ وہ قرارداد تھی جو 23 مارچ 1940ء کو پیش کی گئی اور جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کے قیام کی طرف گامزن کیا۔ دنیا میں آزادی کی یادگاریں تو بہت ہیں لیکن یہ منفرد ہے کہ ایک قرارداد کی یاد میں مینار تعمیر کیا گیا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ پاکستان محض ایک زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے جو ایک سیاسی اور دینی سوچ پر قائم کیا گیا۔ دراصل مینارِ پاکستان صرف ایک عمارت نہیں بلکہ ایک جذبہ اور ایک سبق ہے۔ جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو ہمیں یاد آتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کیسے قربانیاں دیں، کتنے لوگ اپنی جانوں سے گئے اور کتنے بچے یتیم ہوئے۔ یہ مینار ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اس ملک کی قدر کرنی چاہیے کیوں کہ یہ آسانی سے نہیں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ مینار کے اردگرد کے مناظر بھی علامت ہیں۔ مشرق اور شمال کی ہریالی، ترقی اور خوش حالی کی امید ہے۔ مغرب کی جھگیاں اور نالہ غربت اور مسائل کی یاد دہانی ہیں۔ جنوب کا قلعہ، مسجد اور گردوارہ ہماری تاریخی اور تہذیبی وراثت کی علامت ہیں۔ دریائے راوی ہماری زمین کی قدرتی خوب صورتی اور وسائل کی نشانی ہے۔ ان سب کے درمیان مینارِ پاکستان کھڑا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ یہ ساری تاریخ اور یہ سارے تضادات ہماری زندگی کا حصہ ہیں لیکن اصل پہچان ہمارا وطن اور ہمارا نظریہ ہے۔ ہمارا نظریہ اسلام ہے۔

؎ اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی　　نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق (اقبالؒ)

اگر غور کریں تو مینارِ پاکستان کی تعمیر میں فنِ تعمیر کی خوب صورتی بھی جھلکتی ہے۔ اس میں اسلامی طرز کے ساتھ ساتھ مغلیہ اور جدید انداز کا امتزاج نظر آتا ہے۔ گویا یہ عمارت صرف ماضی کو نہیں بلکہ حال اور مستقبل کو بھی اپنے ساتھ جوڑتی ہے۔ یہ مینار دراصل قربانی اور عزم کی علامت ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ آزادی کوئی سستا تحفہ نہیں بلکہ یہ خون، پسینے اور دعاؤں سے ملی ہے۔ اس مینار کو دیکھ کر اپنے وطن سے محبت اور اس کی حفاظت کا جذبہ تازہ ہو جاتا ہے۔

؎ ساری دنیا کو ہے تیری عظمتوں کا اعتراف　　تجھ سے ہوتا ہے ہماری قومیت کا انکشاف
تجھ پہ پڑتے ہی چمک اٹھتی ہے حیرت سے نگاہ　　تو ہمارا پاسباں ہے تو ہمارا خیر خواہ (رہبر جونپوری)

مختصر یہ کہ مینارِ پاکستان صرف ایک عمارت نہیں بلکہ ایک سبق، ایک علامت اور ایک یاد دہانی ہے۔ یہ ہمیں بار بار یہ پیغام دیتا ہے کہ پاکستان صرف ایک جغرافیائی ملک نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے، ایک خواب ہے جو حقیقت میں بدلا گیا۔

عبارت نمبر 7

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مینار کی ابتدائی صورت؛ دفاعی ضرورت کے تحت وجود میں آئی، پھر اس کی علامتی حیثیت قائم ہوئی۔ اس کے بعد یہ دین کا ستون بنا اور آخر کار نشانِ خیر کے طور پر بنایا جانے لگا۔ مینارِ قرارداد؛ ان ساری حیثیتوں پر محیط ہے۔ یہ نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر ان کے لیے محض سرکاری ذمے داری نہیں بلکہ ایک جذباتی وابستگی ہے۔ وہ ''یادگار'' کے روایتی تصور کو مسترد کر کے اسے ایک زندہ تحریک کی علامت قرار دیتے ہیں۔ اہرام مصر کی مثال سے عمارت سازی کے فلسفے پر غور کرتے ہوئے، وہ اسے محض سنگ وخشت نہیں بلکہ ایک تاریخی قرارداد کا منفرد اور بلند نشان گردانتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ دفاعی میناروں کا ارتقا میسوپوٹیمیا سے بازنطینی دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وقت کے ساتھ ان کی اہمیت بڑھتی گئی۔ وہ دیوارِ چین، قبائلی میناروں اور سمندری روشن میناروں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جدید ٹیکنالوجی نے ان کی قدیم افادیت اور رکھوالوں کی جفاکشی ختم کر دی ہے۔ آخر میں، وہ سری لنکا کے مینار سے وابستہ اپنے احساسات بیان کرتے ہیں۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور وفکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے مینار کی تاریخی، علامتی اور دینی حیثیت کا ذکر کیا ہے۔ جب لفظ ''مینار'' سنتے ہیں تو ذہن میں ایک بلند وبالا عمارت کا تصور ابھرتا ہے جو دور سے ہی نظر آتی ہے۔ مینار کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتدا میں یہ صرف ایک دفاعی ضرورت کے تحت بنائے جاتے تھے۔ پرانے زمانے میں جنگیں زیادہ ہوتی تھیں اور دشمن کی یلغار کا خطرہ رہتا تھا تو میناروں کو ایک ایسی جگہ کے طور پر تعمیر کیا جاتا تھا جہاں سے دشمن کی آمد ورفت پر نظر رکھی جا سکے۔ ان پر چوکیدار کھڑے ہوتے اور کسی بھی خطرے کی صورت میں لوگوں کو خبردار کرتے۔ اس طرح مینار محض ایک فوجی اور دفاعی ڈھانچے کے طور پر وجود میں آیا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ صرف جنگی یا دفاعی ضرورت تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کی علامتی حیثیت بھی قائم ہوگئی۔

؎ ایک مختی امن کے پیغام کی ٹانگ دیجیے اونچے میناروں کے بیچ (عزیز نبیل)

جب معاشرے نے ترقی کی اور انسانوں نے اپنی تہذیب وثقافت کو محفوظ بنانے کی کوشش کی تو میناروں کو علامت کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ کسی بھی عظیم کارنامے یا بڑے واقعے کی یادگار کے طور پر مینار تعمیر کیے جانے لگے تاکہ آنے والی نسلیں اس کو دیکھ کر اپنی تاریخ کو یاد رکھیں۔ اس طرح مینار صرف ایک عمارت نہ رہا بلکہ ایک علامت بن گیا۔ یہ علامت کبھی آزادی کی جدوجہد کی صورت میں ظاہر ہوئی، کبھی قومی وحدت کے اظہار کے طور پر اور کبھی کسی مذہبی مقصد کے طور پر۔ مینار کو دین کے ستون کے طور پر بھی دیکھا گیا۔ مثال کے طور پر مساجد کے مینار دیکھ لیجیے۔ وہ محض خوب صورتی یا فنِ تعمیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اذان دینے کے لیے بنائے جاتے تھے تاکہ اللہ کا پیغام دور دور تک پہنچ سکے۔ یوں مینار دین کی سرفرازی اور عظمت کی علامت ہیں۔ مینار سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے جو ہمیں توحید، رسالت اور نماز کی دعوت دیتی ہے۔ مینار کا مقصد صرف مٹی، پتھر یا اینٹوں کا ڈھیر کھڑا کرنا نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو جھنجھوڑنے کے لیے بنایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد اور اپنی اصل پہچان کو یاد رکھ سکیں۔

؎ وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا یہ سنگ وخشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے (اقبالؒ)

تو ہماری شان و شوکت کا ہے بلند گواہ تجھ سے روشن ہے ہمارے علم وفن کی شاہراہ (رہبر جونپوری)

اس تناظر میں جب مینارِ پاکستان کو دیکھتے ہیں تو یہ ایک منفرد اور بے مثال حیثیت رکھتا ہے۔ مینارِ پاکستان صرف ایک عمارت نہیں بلکہ یہ ہماری نظریاتی سرحدوں کے دفاع کی علامت ہے۔ یہ اس قرارداد کی یادگار ہے جو 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں پیش کی گئی تھی۔ اس قرارداد کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ مملکت کے

حصول کا عزم کیا اور بالآخر پاکستان کی صورت میں یہ خواب حقیقت بن گیا۔ اس لیے مینارِ پاکستان نہ صرف ایک علامت ہے بلکہ یہ ہماری قومی تاریخ کا سنگِ میل ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم نے آزادی کس طرح حاصل کی اور اس کے لیے کتنی قربانیاں دی گئیں۔ مینارِ پاکستان نظریاتی دفاع کی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی قوم کی بنیاد ایک نظریے پر رکھی گئی تھی۔ یہ نظریہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔ اس نظریے کی حفاظت ہی ہمارا اصل مقصد ہے۔ اگر ہم اپنے نظریے پر مضبوطی سے قائم رہیں تو کوئی طاقت ہمیں کمزور نہیں کر سکتی۔ مینارِ پاکستان اسی نظریاتی قوت کا نشان ہے جو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہماری اصل طاقت ایمان اور اتحاد میں ہے۔

؎ کٹھن ہے بہت راہِ حق کی مسافت — بہت متحد ہو کے چلنا پڑے گا
وہ ایمان، جس سے جلائے نہ آتش — اس ایماں کی خاطر بھی جلنا پڑے گا
بدل دیں نہ تم کو زمانے کی رسمیں — تمھیں نظمِ دنیا بدلنا پڑے گا (ابنِ منیب)

یہ مینار تحریکِ آزادی کی بھی علامت ہے۔ جب مسلمانانِ برصغیر نے قراردادِ پاکستان منظور کی تھی تو وہ دراصل اپنی منزل کا تعین کر رہے تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور آزادی کا سورج طلوع ہونے کی بشارت ملی۔ آج جب ہم مینارِ پاکستان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے نظر آتے ہیں جب لاکھوں مسلمان ایک میدان میں جمع ہوئے، رہنماؤں نے ولولہ انگیز تقریریں کیں اور ایک نئی منزل کی طرف بڑھنے کا عزم کیا۔ یہ مینار ان یادوں کو زندہ رکھتا ہے۔ یہ مینار دین کی سرفرازی کا بھی گواہ ہے۔ پاکستان کا قیام محض ایک سیاسی فیصلہ نہیں تھا بلکہ یہ دینِ اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ مسلمانانِ ہند نے جب علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی دینی اور تہذیبی اقدار کو محفوظ رکھ سکیں۔ مینارِ پاکستان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ یہ مینار ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ اگر ہم اپنے اصل مقصد یعنی دین کی سرفرازی کو بھول گئے تو ہمارا وجود بے معنی ہو جائے گا۔ یہ صرف پتھر اور سیمنٹ کا ڈھانچہ نہیں بلکہ ایک عہد ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں کی قربانیوں کے نتیجے میں حاصل کیا۔ مینار کو نشانِ خیر بھی کہا گیا ہے۔ نشانِ خیر کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اچھی علامت، برکت اور امید کا نشان ہے۔ یہ ہمیں مایوسی سے نکالتا ہے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ مینارِ پاکستان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہماری تاریخ قربانیوں اور جدوجہد سے بھری ہوئی ہے۔ یہ مینار پیغام دیتا ہے کہ ماضی سے سبق سیکھو، حال کو بہتر بناؤ اور مستقبل کے لیے امید کے ساتھ آگے بڑھو۔

؎ وطن کو ہم عظیم سے عظیم تر بنائیں گے — ہم اپنے ملک کا وقار روز و شب بڑھائیں گے

مینارِ پاکستان کی حیثیت کثیر الجہتی ہے۔ یہ دفاع کی علامت بھی ہے، آزادی کی یادگار بھی ہے، دین کی بلندی کا گواہ بھی ہے اور ہماری تاریخ کا روشن چراغ بھی۔ جب ہم اس کے سائے تلے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم صرف ماضی پر فخر کرنے کے لیے زندہ نہیں بلکہ ہمیں مستقبل کی تعمیر بھی کرنی ہے۔ یہ مینار ہمیں اخوت، قربانی، ایمان اور عمل کی طرف بلاتا ہے۔

؎ پاک سر زمین کا نظام — قوتِ اخوتِ عوام

مختصر یہ کہ مینار کی ابتدا دفاعی ضرورت سے ہوئی، پھر یہ علامت بنا، پھر دین کا ستون اور آخر کار نشانِ خیر بن گیا۔ مینارِ پاکستان ان سب حیثیتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ہماری تاریخ کا ایسا ورق ہے جو کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ جب بھی ہم اس کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں قربانی کا جذبہ، ایمان کی تازگی اور امید کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ یہی اس عبارت کا اصل پیغام ہے کہ مینار صرف عمارت نہیں بلکہ ایک تاریخ، ایک عہد اور ایک مسلسل تحریک کا نام ہے۔

عبارت نمبر 8

دفاعی میناروں تو میسوپوٹیمیا کی اختراع بتائے جاتے ہیں، مگر ان کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے اہلِ روم اور بازنطینی تھے۔ اُن کے یہاں شہر کی فصیل سے لے کر ہر بڑی حویلی میں جا بجا مینار بنے ہوئے تھے۔ اُن دنوں دنیا کی آبادی مختصر اور جغرافیے کا علم کم تر

تھا، فنِ حرب کا درجہ بھی پست تھا، حملہ آور گنے چنے اور اُن کے ہتھیار دیکھے بھالے تھے، لہٰذا دفاع کے لیے یہ کوتاہ قامت مینار ہی بہت کافی تھے۔ علم اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی بلند ہوتا چلا گیا، جنگوں کی تعداد اور شدّت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جگہ جگہ مضبوط سے مضبوط اور بلند سے بلند تر مینار بننے لگے۔ آبنائے باسفورس، جنوبی فرانس اور وسطِ چین کی مشہور فصیلیں اور مینار اسی دَور کی یادگار ہیں۔ دیوارِ چین میں جو، اب ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے، جا بجا دفاعی مینار اور برج بنے ہوئے ہیں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ قراردادِ پاکستان محض سنگ و خشت نہیں، بلکہ فکری عزم کی تعبیر ہے۔ انھوں نے ''یادگار'' کے محدود تصور کو رد کر کے اسے ایک زندہ تحریک کا استعارہ قرار دیا۔ وہ اس مینار کو دفاعی ضرورت، آزادی کی علامت اور تاریخ کے نشانِ خیر کا حسین امتزاج مانتے ہیں۔ اقبال پارک کے تاریخی منظر نامے میں یہ منفرد عمارت قراردادِ پاکستان کی اہمیت کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے ایک بلند عزمِ نو ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ دیوارِ چین کا سفر انھیں انسانی مزاج میں تبدیلیوں کا احساس دلاتا ہے۔ وہ قدیم میناروں اور جدید خود کار ٹیکنالوجی کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترقی نے انسانی جفاکشی اور انفرادی مہارتوں کی اہمیت ختم کر دی ہے۔ شجاعت کے راستے اب محدود ہو چکے ہیں۔ سفر کے اختتام پر سری لنکا کے ساحل پر ایک روشن مینار دیکھ کر انھیں اپنے بچپن کا وہ جغرافیائی تصور یاد آ گیا، جس میں حقیقت اور تخیل یکجا تھے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

انسان جب سے اس دنیا میں آیا ہے اسے اپنی حفاظت اور بقا کی فکر رہی ہے۔ ابتدا میں وہ فطری خطرات سے بچنے کے لیے درختوں پر بسیرا کرتا یا پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لیتا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور اس نے بستیاں آباد کرنا شروع کیں، چھوٹے چھوٹے دیہات اور پھر بڑے بڑے شہر وجود میں آئے۔ جیسے جیسے انسان کی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے خطرات بھی بڑھتے گئے۔ یہ خطرات صرف جانوروں یا قدرتی آفات کی صورت میں نہیں رہے بلکہ انسان بھی ایک دوسرے کے لیے خطرہ بننے لگے۔ زمین پر قبضہ، دولت کا حصول اور طاقت کا نشہ لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کرنے لگا۔ یوں قبیلوں اور قوموں کے درمیان جھگڑے اور جنگیں شروع ہو گئیں۔ مختلف قبیلوں اور قوموں کا بنیادی مقصد ایک دوسرے کو پہچاننا، تعاون کرنا اور تہذیبی تبادلہ تھا لیکن تاریخی اور عصری تناظر میں مفادات، تعصبات اور وسائل کی جنگ نے انھیں ایک دوسرے کے دشمن بنا دیا۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ (سورۃ الحجرات:13)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔''

ان حالات نے انسان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے نئے نئے طریقے تلاش کرے۔ ابتدا میں لوگ اپنے گاؤں یا شہروں کے گرد کچی دیواریں بناتے تا کہ دشمن کے حملے سے بچ سکیں۔ یہ دیواریں بھی کافی نہ رہیں کیوں کہ دشمن بھی وقت کے ساتھ زیادہ منظم اور طاقت ور ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران میں انسان نے ایک اور اہم ایجاد کی اور وہ تھی دفاعی مینار۔ یہ مینار زیادہ بلند نہیں

ہوتے تھے اور ان کا مقصد دشمن پر نظر رکھنا ہوتا تھا۔ ان پر سپاہی کھڑے ہو کر دشمن کو دور سے دیکھ لیتے اور تیروں یا پتھروں کی بارش کر کے ان کا راستہ روک لیتے۔ یہ مینار اس دور کے لحاظ سے کافی مؤثر سمجھے جاتے تھے۔

مصنف کہتے ہیں کہ دفاعی مینار سب سے پہلے میسو پوٹیمیا کے لوگوں نے بنائے۔ میسو پوٹیمیا کو تہذیبوں کی ماں کہا جاتا ہے کیوں کہ یہاں انسان نے سب سے پہلے شہر بسانے کا فن سیکھا، کھیتی باڑی کی بنیاد رکھی اور تحریر ایجاد کی۔ انھی انسانوں نے اپنے دفاع کے لیے چھوٹے چھوٹے مینار بنائے۔ لیکن ان میناروں کو سب سے زیادہ اہمیت رومیوں اور بازنطینیوں نے دی۔ رومیوں کے ہاں یہ مینار جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ چاہے شہر کی مضبوط فصیل ہو یا کوئی بڑی حویلی، ہر جگہ یہ مینار دفاع اور نگرانی کے لیے موجود ہوتے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ان قوموں نے اپنی حفاظت کو سب سے مقدم رکھا اور دفاع کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

؎ میں اپنے خواب سے کٹ کر جیوں تو میرے خدا اجاڑ دے میری مٹی کو در بدر کر دے
مری زمین مرا آخری حوالہ ہے سو میں رہوں نہ رہوں اس کو بارور کر دے (افتخار عارف)

وہ دور نسبتاً سادہ تھا۔ آبادی کم تھی، علم محدود تھا اور فنِ حرب بھی ابتدائی درجے پر تھا۔ حملہ آور زیادہ نہیں ہوتے تھے اور ان کے ہتھیار بھی زیادہ پیچیدہ نہیں تھے۔ ایسے حالات میں یہ چھوٹے مینار دشمن کو روکنے کے لیے کافی تھے۔ یہ مینار دشمن پر رعب بھی ڈالتے تھے اور سپاہیوں کو بلندی سے دشمن پر نظر رکھنے کی سہولت بھی فراہم کرتے تھے۔ دشمن دور سے آتا تو سپاہی اس کی نقل و حرکت دیکھ لیتے اور حملے کی تیاری کر لیتے تھے۔ گویا یہ چھوٹے پست مینار اس وقت کے دفاعی نظام کا اہم حصہ تھے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا حالات بدلنے لگے۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا، لوگوں میں علم اور جغرافیہ کا شعور بڑھتا گیا، نئے نئے ہتھیار ایجاد ہوئے اور جنگی حکمتِ عملی زیادہ پیچیدہ اور خطرناک ہوتی گئی۔ اب چھوٹے مینار ناکافی ہو گئے۔ دشمن بڑی فوج کے ساتھ حملہ کرتا، اس کے پاس زیادہ تباہ کن ہتھیار ہوتے اور وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار اور منظم ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں اگر دفاع کو پہلے جیسا رکھا جاتا تو شہر اور بستیاں چند لمحوں میں برباد ہو جاتیں۔ اس لیے لوگوں نے زیادہ اونچے، زیادہ مضبوط اور زیادہ شان دار مینار بنانا شروع کیے۔ یہ مینار محض نگرانی کے لیے نہیں تھے بلکہ دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے تھے۔ ان پر بھاری ہتھیار نصب کیے جاتے، سپاہی بڑی تعداد میں موجود رہتے اور دور دور تک دشمن پر نظر رکھی جاتی۔ قرآنِ مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے دشمن کے خوف سے اپنے دفاع کو مضبوط رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (سورۃ الانفال:60)

ترجمہ: ''اور تیار رکھو ان (دشمنوں) کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق جو تم سے ہو سکے۔''

دنیا کے مختلف حصوں میں ایسی شان دار فصیلیں اور مینار تعمیر کیے گئے جنھیں آج ہم تاریخ کے عظیم ورثے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ترکی کے علاقے آبنائے باسفورس پر بڑے بڑے قلعے اور فصیلیں بنائی گئیں تاکہ دشمن سمندر کے راستے سے حملہ نہ کر سکے۔ جنوبی فرانس میں مضبوط دیواریں اور برج بنائے گئے تاکہ شہروں کو دشمن سے محفوظ رکھا جا سکے۔ وسطی چین میں بھی یہی سلسلہ شروع ہوا اور سب سے عظیم مثال دیوارِ چین کی ہے۔ یہ دیوار ہزاروں میل لمبی ہے اور اس پر جگہ جگہ دفاعی مینار اور برج تعمیر کیے گئے تاکہ فوجی ہر وقت دشمن پر نظر رکھ سکیں۔ اس دیوار نے کئی صدیوں تک چین کو دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ آج یہ دیوار صرف ایک یادگار یا ''ہاتھی دانت'' کی طرح صرف دکھانے کے لیے ہے۔ حقیقت میں اس کا کوئی کردار باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ انسان کی محنت، فنِ تعمیر اور دفاعی تدبیر کا عظیم شاہکار ہے۔ عظیم چینی رہنما ماؤزے تنگ نے 1935ء میں دیوارِ چین پر ایک نظم لکھی تھی جس کا عنوان ''عظیم دیوار'' تھا۔ اس نظم میں انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا:

''جس نے عظیم دیوارِ چین نہیں دیکھی وہ حقیقی مرد ہی نہیں''

انسان نے ہر دور میں اپنی بقا اور حفاظت کو سب سے مقدم رکھا ہے۔ وہ کبھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا بلکہ حالات

کے مطابق نئی نئی ایجادات کرتا رہا ہے۔ جب دشمن کمزور تھا تو چھوٹے مینار کافی تھے، جب دشمن طاقت ور ہوا تو بڑے اور مضبوط مینار تعمیر ہوئے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ وقت اور حالات کے مطابق اپنی حکمت عملی بدلتا رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ دفاعی مینار انسان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ یہ ابتدا میں چھوٹے اور سادہ تھے لیکن وقت کے ساتھ مضبوط اور شان دار بن گئے۔ آج یہ مینار اور فصیلیں صرف یادگار ہیں لیکن ان میں چھپا پیغام زندہ ہے۔ پیغام یہ ہے کہ جو قوم اپنی حفاظت کے لیے جدوجہد کرتی ہے وہ زندہ رہتی ہے۔ یہی دفاعی میناروں کا اصل سبق ہے اور یہی ان کی تاریخی اہمیت ہے۔

عبارت نمبر 9

چین گئے تو دیوار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دیوار بھی دیکھی اور اہلِ دیوار بھی۔ معلوم ہوا کہ جو کام پہلے دیواروں سے لیا جاتا تھا اب وہ دیوانوں سے لیتے ہیں۔ جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِ سکندری ہے اور وہی سدِ یاجوج۔ ایک دن ہم دیوار کی طرف روانہ ہوئے، سڑک میدان سے گزر کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکی تھی۔ دور سے ایسا معلوم ہوا کہ جہاں پہاڑ اور افق ملتے ہیں وہاں کسی نے سیاہ پنسل سے ایک مدھم سی لکیر لگا دی ہے۔ کچھ اور آگے گئے تو دُور تک سلسلہ کوہِ سنجانی نظر آیا۔ نزدیک پہنچے تو یہ مدھم سی لکیر حیرت کدہ ہنر بن گئی اور جسے ہم نے سنجاف سمجھا تھا، وہ ایک سنگلاخ حقیقت نکلی۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ قراردادِ پاکستان محض سنگ و خشت کی عمارت نہیں، بلکہ ایک زندہ نظریاتی تحریک اور عہدِ وفا کا استعارہ ہے۔ وہ اسے ''یادگار'' کے روایتی تصور سے نکال کر قومی تاریخ کی ایک منفرد علامت قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ مینار صرف دفاعی روایت کا تسلسل نہیں، بلکہ نظریاتی دفاع، تحریکِ آزادی کی سرفرازی اور ہماری تاریخ کا ایک ایسا نشانِ خیر ہے جو ماضی کو حال سے جوڑتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ انسان میں بلندیوں کو سر کرنے کی فطری خواہش موجود ہے۔ وہ دیوارِ چین سے قبائلی علاقے کے قدیم مینار تک اپنے تجربات بیان کرتے ہیں۔ وہ تکنیکی ترقی کے باعث روشن میناروں کی بدلتی حیثیت اور ان سے وابستہ انسانی جفاکشی کے خاتمے پر ملال کا اظہار کرتے ہیں۔ آخر میں، سری لنکا کے ساحل پر ایک روشن مینار دیکھ کر ان کا برسوں پرانا جغرافیائی خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ ہمیں چین جانے کا موقع ملا اور خواہش پیدا ہوئی کہ دیوارِ چین کو دیکھا جائے۔ دنیا کی عظیم ترین تعمیرات میں شمار ہونے والی یہ دیوار صدیوں پہلے انسانی ہاتھوں نے تعمیر کی تھی۔ اس کے بارے میں پڑھا تو تھا مگر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ایک الگ لطف ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ ہم نے نہ صرف دیوار دیکھی بلکہ اہلِ دیوار کو بھی دیکھا۔ اس دیوار کی تعمیر کے پیچھے انسانی محنت، خون پسینہ اور اتحاد کارفرما تھا۔ اس سے یہ حقیقت کھلی کہ جس مقصد کے لیے پہلے دیواروں کی ضرورت پڑتی تھی، آج وہی کام انسانوں کے جذبے اور اجتماعی قوت سے لیا جاتا ہے۔ ماضی میں جب کسی قوم کو اپنے دشمن سے بچنا ہوتا تھا تو وہ بڑی بڑی دیواریں تعمیر کرتی تھی تاکہ دشمن اس کے علاقے میں داخل نہ ہو سکے۔ لیکن آج حالات بدل گئے ہیں۔ اصل طاقت دیواروں میں نہیں بلکہ انسانوں کے اتحاد اور یکجہتی میں ہے۔ اگر لوگ کندھے سے کندھا ملا کر، صف بہ صف ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو جائیں تو وہی حقیقی رکاوٹ ہے، وہی سدِ سکندری ہے اور وہی سدِ یاجوج۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک قوم متحد ہو تو

کوئی طاقت اس پر غالب نہیں آسکتی، اور اگر قوم بکھر جائے تو پانی ہے دیواریں کتنی ہی بلند ہوں، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ ہماری قوت کا راز اتفاق و اتحاد میں ہے اور دینِ اسلام ہی ہمارے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے۔ حکیم الامت نے فرمایا ہے:

؎ نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی — اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاک رہ گزر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر (اقبالؒ)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ ہم ایک دن دیوار کی طرف روانہ ہوئے۔ شروع میں راستہ ہموار میدانوں سے گزرا اور پھر آہستہ آہستہ پہاڑوں کے سلسلے میں داخل ہو گیا۔ جب دور تک نگاہ گئی تو ایسا محسوس ہوا کہ پہاڑ اور آسمان جہاں مل رہے ہیں، وہاں کسی نے سیاہ پنسل سے ایک باریک سی لکیر کھینچ دی ہے۔ یہ منظر بڑا دل فریب اور عجیب سا تھا۔ جیسے جیسے ہم قریب ہوتے گئے، حقیقت سے پردہ اٹھتا گیا۔ جو چیز دور سے محض ایک مدھم سی لکیر دکھائی دے رہی تھی، وہ دراصل ایک حیرت انگیز تعمیر نکلی۔ وہ ایک ایسی دیوار تھی جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہی فریبِ نظر اور حقیقت کا فرق ہے۔ جو چیز دور سے چھوٹی یا مدھم دکھائی دیتی ہے، وہی قریب سے ایک عظیم حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ زندگی میں بھی ایسا ہی ہے کہ بعض اوقات ہمیں کسی چیز یا کسی جدوجہد کی اہمیت سمجھ نہیں آتی لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے۔ یہی دیوارِ چین کی مثال ہے۔ یہ دیوار صرف پتھروں اور اینٹوں کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ انسانی ہنر اور محنت کا ایسا شاہکار ہے جو آج بھی دنیا کو حیران کرتا ہے۔ مصنف نے ''حیرت کدہ ہنر'' کہہ کر اس دیوار کو انسانی عقل اور طاقت کا زندہ نمونہ قرار دیا ہے۔ بقول آفتاب اقبال شمیم:

؎ رواں دواں وقت کے بہاؤ میں
ایک لمبی دراڑ جیسے پڑی ہوئی ہے
عظیم دیوار سر اٹھائے کھڑی ہوئی ہے
جھکے ہوئے آسمان کے نیچے

تشریح طلب عبارت میں ''سدِ سکندری'' اور ''سدِ یاجوج'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ''سدِ سکندری'' سے مراد وہ عظیم رکاوٹ ہے جو سکندر نے دشمنوں کے حملے روکنے کے لیے بنائی تھی اور ''سدِ یاجوج'' قرآن میں مذکور یاجوج ماجوج کی دیوار کی طرف اشارہ ہے۔ مصنف نے ان مثالوں سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقی رکاوٹ پتھر یا دیوار نہیں بلکہ لوگوں کی اجتماعی قوت اور اتحاد ہے۔ یہ عبارت بظاہر ایک سفرنامے کی جھلک ہے لیکن حقیقت میں اس میں ایک بڑی نصیحت چھپی ہوئی ہے۔ دیوارِ چین دنیا کی سب سے بڑی دیوار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی حفاظت صرف دیواروں سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی قوم اپنے اندر اتحاد، محنت اور قربانی کا جذبہ پیدا کر لے تو وہ کسی دیوار سے زیادہ مضبوط حصار بنا لیتی ہے۔ قرآنِ مجید میں قوم کی طاقت و قوت اور ترقی کا ایک ابدی اصول دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورہ آل عمران:103)

ترجمہ: ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

مصنف نے دیوارِ چین کا محض ایک تاریخی عمارت کے طور پر ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے پس منظر میں چھپے انسانی ہنر، اجتماعی محنت اور اتحاد کی طاقت کو اجاگر کیا ہے۔ دیوارِ چین ظاہر کرتی ہے کہ انسان اگر چاہے تو ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اصل طاقت اینٹ اور پتھر کی دیوار میں نہیں بلکہ انسان کے عزم، قربانی اور اتحاد میں ہے۔

مختصر یہ کہ یہ عبارت محض ایک سفر کی روداد نہیں بلکہ ایک ایسا درس ہے جو ہر دور میں زندہ اور کارآمد ہے۔ قوموں کی ترقی، ان کی حفاظت اور ان کی بقا کا راز دیواروں میں نہیں بلکہ انسانوں کے اتحاد اور ہمت میں پوشیدہ ہے۔ یہی اصل پیغام ہے جو مصنف نے بڑی سادگی اور مہارت سے بیان کر دیا ہے۔

عبارت نمبر 10

دیوار عمود دار ایک پہاڑی پر چڑھتی تھی اور چوٹی پر ایک دفاعی مینار بنا ہوا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس یوآن کا نوٹ نکالا اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا۔ سبھی بھاگ پڑے اور میں نے جانا کہ یہ نوجوان بھی پس ماندہ ملکوں کی طرح زرِ مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بھاگنے والوں کا دم پھول گیا اور وہ ایک ایک کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ مینار اب بھی اُتنا ہی دُور نظر آتا تھا اور اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اب تک دیوارِ چین میں کئی بار نقب لگ چکی ہوتی۔ یہ کام جو بڑے بڑے ملک نہ کر سکے اُردو شاعری نے کر دکھایا، شعر ہے:

میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا
سدِّ اسکندرِ اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اب صرف حضرت ناظم کو جن کا یہ شعر ہے، کیوں قصوروار ٹھہرایئے۔ قصور ہے تو خود ہمارے مزاج کا۔ دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرت غالب نے بھی ڈھا دی تھی، کہتے ہیں:

برشکالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی، ماتندِ گل، سو جا سے دیوارِ چمن

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان محض سرکاری منصوبہ نہیں، بلکہ نظریاتی وابستگی کا مظہر ہے۔ وہ یادگار کے روایتی تصور کو فنا سے جوڑ کر مسترد کرتے اور اسے ایک زندہ فکر کی علامت بنانا چاہتے ہیں۔ تعمیر کے دوران میں ہونے والی بحث سے اس کی دفاعی، علامتی اور تاریخی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ آخر میں، وہ پتھر کے میناروں سے بڑھ کر انسانی اتحاد کی اصل طاقت کو بیان کرتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ انھوں نے مختلف میناروں کے سفر سے اپنی بچپن کی حسرتیں پوری کیں۔ قبائلی علاقے میں قدیم دفاعی مینار پر چڑھ کر انھوں نے ماضی و حال کا ملاپ دیکھا، جب کہ سمندری میناروں کے مشاہدے سے جدید ٹیکنالوجی کے اثرات کا احساس ہوا۔ آخر میں، لنکا کے ساحل پر واقع روشن مینار کو دیکھ کر مصنف نے اپنے دیرینہ تصور کو حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے پایا۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف انسانی فطرت، خواہشات، محنت اور تاریخی حقائق کو ایک منظر کے ذریعے روشناس کراتے ہیں۔ یہ منظر دیوارِ چین کی سیر کا ہے۔ مصنف کی نگاہ ایک پہاڑی پر بنی دیوارِ چین اور اس کے اوپر قائم دفاعی مینار کی طرف جاتی ہے۔ دیوار کی اونچائی اور اس کی عمودی لکیر دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک عام دیوار نہیں بلکہ بڑی محنت اور حکمت کا نتیجہ ہے۔ یہ دیوار ایک طویل فاصلے تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کا مقصد صرف جگہ کو محفوظ کرنا یا پہاڑ کے اوپر ایک دفاعی حصار قائم کرنا نہیں بلکہ یہ انسانی محنت، منصوبہ بندی اور زمانے کی ضرورتوں کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ مینار کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسانی عقل اور محنت نے کس طرح قدرتی رکاوٹوں کو عبور کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مشکل ترین حالات میں بھی عمدہ حکمتِ عملی استعمال کی۔

مصنف نے اس منظر میں انسانی دل چسپی اور حرص کی جھلک بھی دکھائی ہے۔ جب وہ جیب سے پچاس یوآن نکالتا ہے اور ساتھیوں کو کہتا ہے کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا، تو سبھی لوگ فوراً حرکت میں آجاتے ہیں۔ یہ منظر انسانی

فطرت کی عکاسی کرتا ہے کہ انسان ہمیشہ کسی مقصد یا انعام کے پیچھے دوڑتا ہے، چاہے وہ مشکل یا ناممکن کیوں نہ ہو۔ مصنف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نوجوان بھی زرِ مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو جاتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے پس ماندہ ملکوں میں لوگ مادی ترقی کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دیتے ہیں۔ پسماندہ ملکوں میں لوگوں کے مالی حالات بہت کٹھن ہوتے ہیں۔ مادی ترقی کے لیے انھیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے:

؎ تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات (اقبالؔ)

شروع میں سب لوگ پوری قوت کے ساتھ دوڑتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر بعد سب کی سانس پھول جاتی ہے اور ایک ایک کر کے وہ زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن مینار اب بھی اتنا ہی دور نظر آ رہا تھا جتنا پہلے تھا۔ اس منظر کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ تاریخی دیوارِ چین، جسے بڑی بڑی طاقتیں فتح نہیں کر سکیں، اب بھی قائم ہے۔ یہاں مصنف نے شاعری کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کام عملی دنیا میں بڑے بڑے لوگوں نے نہیں کیا، وہ ادب اور شاعری کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔ شعر پیش کیا گیا ہے کہ:

؎ میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا
سدِّ اسکندرِ اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اس شعر میں شاعر انسانی جذبات اور طاقت کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے۔ انسان کی طاقت صرف جسمانی یا فوجی نہیں بلکہ عقل، فہم، جذبات اور محبت سے بھی ناپی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت غالبؔ کا شعر ہے:

؎ برشکال گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی، مانندِ گل، سو جا سے دیوارِ چمن

یہ عبارت انسانی مزاج، حرص اور مادی دل چسپیوں کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ انسان کی زندگی میں ہر شخص کسی مقصد یا انعام کے لیے کوشش کرتا ہے، لیکن تھکن، محدودیت اور حالات اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ بعض اوقات بڑی طاقتیں اور ملک، چاہے وہ فوجی ہوں یا اقتصادی، ناکام رہ جاتے ہیں۔ لیکن انسانی شعور، فکر اور تخیل کے ذریعے وہ چیزیں بھی قابلِ فہم اور قابلِ حصول بن جاتی ہیں جو عملی طور پر مشکل یا ناممکن لگتی ہیں۔ دراصل انسانی محنت انسانی مزاج، جذبات، محدودیت اور روحانی پہلوؤں کو یکجا کرتی ہے۔ دنیا میں بڑی طاقتیں اور قلعے موجود ہوں، لیکن انسانی شعور، فکر، محنت اور جذبے کے بغیر وہ ناقابلِ فتح رہیں گے۔ شاعری انسانی جذبات اور تجربات بیان کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے:

"شاعری کا مقصد صرف تفریح یا حسن و عشق کے قصے بیان کرنا نہیں بلکہ لوگوں کے تخلیقی شعور کو بلند کرنا ہے۔"

مختصر یہ کہ یہ عبارت نہ صرف انسانی محنت اور جذبات کی قدر واضح کرتی ہے بلکہ ہمیں تاریخ، انسانی فطرت، مذہبی تعلیمات اور اخلاقیات کے امتزاج سے بھی روشناس کراتی ہے۔ انسان کی محدودیت، تھکن، خواہشات اور کوشش زندگی کا لازمی حصہ ہیں اور ہر شخص کو اپنی توانائی اور حدود کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ، انسانی محبت، جذبات اور شعور بھی دنیا کے سب سے بڑے قلعوں کو فتح کر سکتے ہیں، اور یہی وہ سبق ہے جو شاعر اور مصنف اس عبارت کے ذریعے ہمیں دینا چاہتے ہیں۔

؎ شاعری روزِ ازل سے ہوئی تخلیق ندیمؔ شعر سے کم نہیں انسان کا پیدا ہونا (احمد ندیم قاسمی)

عبارت نمبر ۱۱

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے میں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حقِ آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اُس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریز سے جو روشنی کی کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔

میں نے کبھی ٹاٹ میں مخمل کا پیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزار ہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گانا بجاتا پیوند لگا ہوا ضرور دیکھا۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان محض ایک عمارت نہیں، بلکہ تحریکِ آزادی کی فکری تعبیر ہے۔ وہ اسے رسمی یادگار کے بجائے قوم کے نظریاتی دفاع اور تاریخ کی علامت قرار دیتے ہیں۔ میناروں کے تاریخی ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے، وہ کہتے ہیں کہ محض اونچی عمارتیں کافی نہیں؛ درحقیقت قوموں کا باہمی اتحاد ہی وہ اصل سدِ سکندری ہے، جو کسی نظریے کو فنا سے بچا کر پائیدار بناتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ قراردادِ پاکستان محض سنگ وخشت کی عمارت نہیں، بلکہ نظریاتی تحریک کی تعبیر ہے۔ وہ یادگار کے روایتی تصور کو مسترد کر کے اسے ایک زندہ علامت مانتے ہیں۔ تاریخی میناروں اور دیوارِ چین کے پسِ منظر میں، یہ مینار تحریکِ آزادی اور نظریاتی دفاع کی ایسی منفرد نشانی بن کر ابھرا ہے، جو ہماری تاریخ اور عہدِ نو کو جوڑتا ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور وفکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

اس عبارت میں مصنف اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو بیان کر رہے ہیں۔ مصنف نے اپنی ایک دیرینہ خواہش بیان کی ہے کہ وہ کسی دفاعی مینار پر چڑھنا چاہتا تھا۔ دفاعی مینار ایک ایسی عمارت ہوتی ہے جو قدیم زمانے میں کسی علاقے کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی تھی، تاکہ دشمن کی آمد کا پتہ چلایا جا سکے اور علاقے کو محفوظ رکھا جا سکے۔ یہ مینار اکثر اونچے اور مضبوط ہوتے ہیں، اور ان پر چڑھ کر دور دور تک کا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ مصنف کی یہ خواہش دل کے اندر ایک دیرینہ حسرت کے طور پر موجود تھی، لیکن اسے پورا کرنے کا موقع مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں ملا۔ یہ علاقہ اپنی قدیم روایات، قبائلی نظام، اور منفرد تعمیراتی طرز کی وجہ سے مشہور ہے۔ قبائلی علاقوں میں میناروں کی تعمیر دفاعی مقصد کے تحت کی جاتی ہے۔ قبائلی سرداروں کی حویلیوں کے گرد مضبوط مینار بڑی شان وشوکت سے ایستادہ ہوتے ہیں۔

تو ہماری شان و شوکت کا ہے تابندہ گواہ — تجھ سے روشن ہے ہمارے علم وفن کی شاہراہ (رہبر جونپوری)

مصنف ایک مقامی سردار کے گھر کھانے کے لیے رُکے۔ یہاں کھانے کے بعد، وہ اپنی خواہش پوری کرنے کے ارادے سے ایک مٹی کے مینار پر چڑھے۔ یہ مینار کسی حویلی کے کونے میں واقع تھا، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ عمارت عموماً کسی رہائشی یا اہم عمارت کے حصے کے طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ باہر سے اس مینار کی حالت بہتر اور محفوظ دکھائی دیتی تھی کیوں کہ اسے لپائی کر کے مضبوط بنایا گیا تھا، لیکن اندرونی حالت بالکل مختلف تھی۔ اندر کا ماحول تاریک اور خستہ حال تھا، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مینار کی دیکھ بھال کافی عرصے سے نہیں ہوئی تھی۔ مینار کے اندر روشنی کے لیے صرف خاک ریز یا چھوٹے سوراخ تھے، جن سے روشنی اندر آتی تھی۔ یہ روشنی چڑھائی کے دوران میں مصنف کے لیے رہنمائی کا کام کر رہی تھی۔ اگرچہ مینار کی حالت خستہ تھی، لیکن روشنی کی موجودگی نے انھیں چڑھنے میں مدد دی اور وہ بلا خطر بلندی تک پہنچ گئے۔ مینار کی چوٹی یا شہ نشین میں پہنچ کر مصنف نے، دیکھا کہ وہاں ایک ٹوٹی کرسی اور چند پرانے کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا، جو موجودہ دور اور قدیم عمارت کے درمیان ایک دل چسپ تضاد پیدا کر رہا تھا۔ وقت کی تیز رفتاری صدیوں کے فاصلوں کو لمحوں میں سمیٹ لیتی ہے، جس سے انسانی تاریخ کا منظر نامہ پل جھپکتے ہی بدل جاتا ہے۔ ماضی کے خاموش بوسیدہ کھنڈرات میں بھی جدید دور کی چہل پہل اور نئی ٹیکنالوجی

دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ صدیوں پرانی ویران دیواروں کے درمیان نئے دور کی چیزوں کی موجودگی بظاہر ایک عجیب تضاد ہے لیکن یہ زندگی کے تسلسل اور آگے بڑھنے کا ثبوت ہے۔ قدیم و جدید کا یہ ملاپ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ تغیر کائنات کا ابدی قانون ہے۔ وقت کا دھارا بہتا رہتا ہے اور ماضی کی بوسیدہ عمارتوں میں بھی زمانۂ حال کے راگوں کی صدائیں سننے کو مل جاتی ہیں۔ بقول اقبالؔ:

؎ سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

مصنف نے اس تجربے سے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ قدیم عمارتوں میں کبھی کبھار موجودہ دور کے اضافے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جیسے اس مینار میں بیسویں صدی کے گانے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ یعنی، یہ عمارت ہزاروں سال پرانے طرزِ تعمیر کی تھی، لیکن اس میں موجودہ دور کی کچھ چیزیں بھی شامل کر دی گئی تھیں، جو قدیم اور جدید دور کے امتزاج کی مثال پیش کرتی ہیں۔ مصنف نے اس پیوند کو میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کے طرز سے جوڑا۔ اس نے دنیا کے مختلف تاریخی مقامات کے میناروں کی طرزِ تعمیر کے ساتھ موازنہ کیا اور اس میں انسانی تہذیب کی ترقی اور تبدیلی کی جھلک دیکھی۔

؎ تہذیب کے نام پہ خود ہم نے ویران کھنڈر کی کھدائی کی ملبے کو ہٹا کر دیکھا تو کہیں تم نکلے کہیں ہم نکلے (غلام محمد قاصرؔ)

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے صرف اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل بیان نہیں کی بلکہ انسانی تہذیب کے ارتقا، قدیم و جدید دور کے تضاد اور مقامی روایات کے ساتھ تعلقات کی بھی تصویر کھینچی ہے۔ اس طرح، یہ ایک سادہ مشاہدہ گہرے تاریخی، ثقافتی اور جذباتی مفاہیم سے معمور ہے۔

مختصر یہ کہ اس عبارت میں مصنف نے ایک جامع تصویر پیش کی ہے، وہ اپنے دل کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایک قدیم مینار پر چڑھتے اور ماضی اور حال کے تضاد کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ انسانی تہذیب اور وقت کی اثر پذیری کو سمجھتے ہیں۔ اس سفر میں انھیں نہ صرف تاریخی اور ثقافتی تجربہ حاصل ہوتا ہے بلکہ ذاتی اطمینان اور خوشی بھی ملتی ہے۔

عبارت نمبر 12

سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں اُن کے بالائی حصے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے اُنھیں روشن مینار کہتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آجائے تو دنوں تک اہلِ مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی، روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی ہے، مینار والے کی نوکری تخفیف میں آچکی ہے۔ اب ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ سبک سارانِ ساحل شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیر محض سنگ و خشت کا عمل نہیں، بلکہ ایک قومی تحریک اور عہدِ وفا کی تعبیر ہے۔ انہوں نے ''یادگار'' کے روایتی تصور کو مسترد کر کے اسے نظریاتی دفاع اور آزادی کی علامت کے طور پر پیش کیا۔ دفاعی میناروں کی تاریخ کے تناظر میں، وہ اسے ہماری تاریخ کی سرفرازی اور پائیدار ملی تشخص کا ایک منفرد گواہ قرار دیتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بچپن میں نقشے پر لنکا کو دیکھ کر انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایشیا کے آخری کنارے پر خشکی کا کوئی قطرہ ہو۔ تب یہ خیال ابھرا کہ وہاں کھڑے ہو کر ایشیا کو اپنے قدموں تلے محسوس کرنا جغرافیائی اعتبار سے تو ٹھیک مگر تاریخی طور پر غلط ہوگا۔ برسوں بعد جب وہ ایک بحری جہاز کے عرشے سے لنکا کی جنوبی حد کے قریب سے گزرے، تو ساحل پر دمکتے ایک روشن مینار نے ان کے اس بچپن کے تصور کو حقیقت کے حسین اور روشن روپ میں ان کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور و فکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ سمندر کے کنارے روشن مینار سمندری جہازوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ رہے ہیں۔ ان میناروں کا مقصد صرف روشنی دینا نہیں بلکہ سمندر میں سفر کرنے والے جہازوں کو خطرناک چٹانوں سے بچانا بھی تھا۔ قدیم دور میں یہ مینار ایسے خطرناک مقامات پر بنائے جاتے تھے جہاں جہازوں کے لیے راستہ مشکل اور حادثات کا خطرہ زیادہ ہوتا تھا۔ مینار کے اوپر روشنیاں رکھی جاتی تھیں جو دور سے نظر آتی تھیں اور رات کے وقت جہازوں کو محفوظ راستہ دکھاتی تھیں۔

یہ روشن مینار انسان کی محنت، قربانی اور خدمتِ خلق کی ایک شان دار مثال ہیں۔ ان میناروں کے نگہبان کی زندگی عام انسان کی زندگی سے زیادہ کٹھن ہوتی تھی۔ اسے اکثر دنیا سے دور، تنہائی میں سخت طوفانی راتوں میں محنت کرنی پڑتی تھی۔ اس کی محنت کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ سمندر میں سفر کرنے والے لوگ محفوظ رہیں۔ اگر کوئی طوفان آجاتا تو یہ نگہبان کئی دنوں تک دنیا سے منقطع رہتا۔ یہ دوری اور تنہائی اس کا معمول تھی اور اس قربانی کے بغیر جہازوں کی حفاظت ممکن نہیں تھی۔ مینار کے نگہبان کی زندگی میں جفاکشی، صبر، اور خطرات کے باوجود انسانی خدمت کا جذبہ نمایاں ہوتا تھا۔ وہ رات بھر شدید طوفانوں اور خطرناک حالات میں بھی روشنی فراہم کرتا اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر دوسروں کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ کام آسان نہیں تھا، اور اس کے لیے ہر دن ایک نئے امتحان کی مانند ہوتا تھا۔ اس کا جذبہ یہ سکھاتا ہے کہ انسان اپنے کام اور خدمتِ خلق کے لیے کتنی قربانی دینے کو تیار ہو سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

؎ ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے ہیں جو کام دوسروں کے

محنت سے جی چرانے والے اور دوسروں کے کام نہ آنے والے لوگ عزت و احترام سے محروم رہتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

؎ بغیر خوبی و خدمت بشر اچھے نہیں لگتے نہ جن میں پھول پھل ہوں وہ شجر اچھے نہیں لگتے (سلطان شاکر ہاشمی)

مصنف نے اپنے ذاتی مشاہدے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ خود ایک روشن مینار دیکھنے گیا۔ لیکن وہاں جو منظر تھا وہ پہلے کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ پہلے جہاں روشنی کے لیے تیل استعمال ہوتا تھا، اب وہاں گیس اور بجلی سے روشنی فراہم کی جاتی تھی۔ جس طرح ٹیکنالوجی نے مینار کی روشنی کو آسان اور خودکار بنا دیا ہے، اسی طرح مینار والے کی محنت اور قربانی کی ضرورت بھی کم ہو گئی ہے۔ اب نگہبان کی ضرورت نہیں رہی، سب کچھ خودکار مشینوں پر منحصر ہے۔ شام کو بٹن دبانے سے روشنی جل جاتی ہے اور صبح کو بٹن نیچے کرنے سے بجھ جاتی ہے۔ اس عمل میں کوئی جفاکشی یا قربانی کی ضرورت نہیں، بلکہ سب کچھ سہل اور آسان ہو گیا ہے۔ یہ تبدیلی ایک بڑی حقیقت کی طرف لے جاتی ہے کہ ترقی نے جہاں زندگی کو آسان بنایا ہے، وہیں انسانی خصوصیات اور شجاعت کے اظہار کی راہیں بھی محدود کر دی ہیں۔ پہلے نگہبانوں کے پاس ہمت، استقامت اور قربانی کی ایک خاص نوعیت ہوتی تھی جو اب مفقود ہو گئی ہے۔ انسانی محنت، قربانی اور استقامت کے مظاہر اب مشینوں اور خودکار نظاموں کی وجہ سے غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور علم عطا کیا ہے۔ انسان نے عقل و علم کو بروئے کار لا کر مشینیں ایجاد کیں اور خودکار نظام وضع کر لیے ہیں جن سے زندگی سہل ہو گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (سورۃ الجاثیہ:13)

ترجمہ: ”اور اس نے تمھارے لیے مسخر کر دیا، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔“

ترقی نے جہاں زندگی کو آسان بنایا ہے وہاں انسان کی کچھ خصوصیات کو دبایا بھی ہے۔ پہلے مینار کے رکھوالے کے پاس

خطرناک حالات میں کام کرنے کا حوصلہ، صبر اور استقامت تھی جواب ٹیکنالوجی اور خودکار آلات کی وجہ سے کم ہوگئی ہے۔ دراصل انسانی زندگی میں ترقی اور اقدار کے درمیان توازن ضروری ہے۔ ٹیکنالوجی نے اگرچہ زندگی آسان بنادی ہے لیکن انسان کی شجاعت، قربانی، محنت اور خدمتِ خلق کے جذبات کو بھی برقرار رکھنا چاہیے۔ اس طرح ہم اخلاقی لحاظ سے بھی ترقی یافتہ بن سکتے ہیں۔

؎ اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

مختصر یہ کہ روشن مینار نہ صرف روشنی دینے کا ذریعہ تھے بلکہ انسانی قربانی، خدمتِ خلق اور شجاعت کی علامت بھی تھے۔ ان میناروں کی موجودہ حالت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ترقی نے سہولتیں فراہم کی ہیں لیکن انسانی قدروں اور خصوصیات کے اظہار کے مواقع محدود کردیے ہیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ زندگی میں ترقی کے ساتھ اخلاق، قربانی، استقامت اور شجاعت کے جذبات کو بھی زندہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ انسان کی شخصیت مکمل اور متوازن ہوسکے۔

عبارت نمبر 13

میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقشے میں دیکھی تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ اسکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حدِ آخر پر کھڑا ہو کر اگر یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیے کی رُو سے درست اور تاریخ کی رُو سے نادرست ہوگی۔ یہ خیال نہ جانے کب آیا اور کتنے سال لاشعور میں گم رہنے کے بعد ایک دن مسکراتا ہوا میرے سامنے آگیا۔ میں ایک بحری جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا، اعلان ہوا کہ اب ہم لنکا کے گرد گھومتے ہوئے جزیرے کی جنوبی حد کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میری آنکھوں میں چمک آگئی، سامنے جزیرے کے آخری ساحل پر ایک روشن مینار دمک رہا تھا۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ مینارِ پاکستان کی تعمیراتی کمیٹی کی صدارت ان کے لیے محض ایک سرکاری ذمہ داری نہیں، بلکہ فکری وابستگی اور عہدِ نو کی تعمیر کا ایک مقدس سفر تھا۔ انھوں نے یادگار کے روایتی تصور کو مسترد کر کے اسے قراردادِ پاکستان کی ملی روح، نظریاتی اثبات اور عہدِ وفا کا استعارہ قرار دیا۔ وہ تاریخ کے تناظر میں میناروں کی ارتقائی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے قدیم دفاعی میناروں اور دیوارِ چین کے حوالوں سے انسانی تہذیب میں آنے والی تبدیلیوں پر تبصرہ کرتے ہیں۔ مختصراً، یہ تحریر مینارِ پاکستان کو محض سنگ وخشت کی عمارت کے بجائے برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ، سیاسی شعور اور نظریاتی دفاع کی ایک منفرد اور جیتی جاگتی علامت کے طور پر پیش کرتی ہے۔

تشریح طلب عبارت سبق کی آخری عبارت ہے اس لیے اس کا سباق نہیں ہے۔

تشریح

مختار مسعود اردو کے ایک نہایت معتبر نثر نگار ہیں۔ زبان کی دل کشی، سادگی، شائستگی اور وقار ان کی تحریر کا بنیادی خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں فکری گہرائی، تہذیبی شعور اور تاریخی حوالوں کا خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو غور وفکر اور سنجیدہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف ایک روشن مینار دیکھنے کا تجربہ بتاتا ہے۔ وہ روشن مینار لنکا کے جزیرے کے آخری ساحل پر واقع تھا۔ اس سفر کے دوران میں ایک دن وہ جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا تو اچانک اعلان ہوا کہ وہ لنکا کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ لنکا وہی جگہ تھی جو کبھی بچپن میں اس کے ذہن میں ایک چھوٹے سے نقطے کے طور پر موجود تھی۔ اس نے اسکول کے زمانے میں

جب پہلی بار ایشیا کا نقشہ دیکھا تو اسے یہ نقطہ بہت پرکشش لگا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے خشکی کا آخری کنارہ ختم ہو کر سمندر کی وسعتوں میں گم ہو رہا ہو۔ یہ خیال اس کے ذہن میں ایک تصویر کی طرح نقش ہو گیا، جو وقت کے ساتھ ساتھ اس کے لاشعور میں گہرائی تک بیٹھ گیا۔ بچپن میں انسان کے خیالات اکثر سادہ ہوتے ہیں لیکن ان میں حیرت، جستجو، اور تلاش کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ مصنف کے ذہن میں بھی یہی جذبہ تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر وہ کبھی اس خشکی کے آخری کنارے پر جا کھڑا ہوا تو کیسا منظر ہوگا۔ کیا واقعی زمین یہاں ختم ہو جاتی ہے؟ کیا سمندر کی وسعت وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں انسان کے قدم رک جاتے ہیں؟ یہی سوالات اس کے ذہن میں بار بار ابھرتے تھے۔

؎ تمام عمر مخاطب مرا مجھی سے رہا سوال میں نے کیے ہیں، جواب میرے ہیں (حسین سحر)

وقت گزرتا گیا، وہ بڑا ہوا، تعلیم حاصل کی، زندگی کے مختلف مراحل سے گزرا، لیکن وہ نقطہ اس کے ذہن سے محو نہ ہو سکا۔ وہ اس کے ذہن میں اسی طرح چھپا رہا جیسے کوئی بھولی ہوئی یاد، جیسے کسی ادھورے خواب کی تصویر۔ جب وہ ایک دن سمندر کے سفر پر نکلا اور جہاز لنکا کے قریب پہنچا تو اچانک اسے محسوس ہوا جیسے ماضی اور حال ایک ہو گئے ہوں۔ وہی نقطہ جسے اس نے کبھی نقشے پر دیکھا تھا، اب اس کے سامنے حقیقت کی صورت میں موجود تھا۔ جب اس نے دور جزیرے کے کنارے پر ایک روشن مینار دیکھا تو اس کے اندر ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی، دل خوشی سے بھر گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے برسوں پرانا خواب حقیقت بن گیا ہو۔ وہ روشن مینار اس کے لیے محض ایک عمارت نہیں بلکہ ایک علامت تھا، انسان کے شعور، علم اور جستجو کی علامت۔

؎ ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں (حالی)

مصنف کے نزدیک یہ روشن مینار صرف لنکا کے ساحل پر کھڑا ایک پتھر کا ڈھانچا نہیں تھا بلکہ یہ انسانی ذہن کی روشنی کی نمائندگی کرتا تھا۔ انسان جب کسی چیز کو سوچتا ہے، اس کا تصور کرتا ہے، تو وہ ابتدا میں صرف ایک خیال ہوتا ہے، ایک نقطہ ہوتا ہے۔ مگر جب وہ اس خیال پر عمل کرتا ہے، اس کی تلاش میں نکلتا ہے، تو وہ نقطہ حقیقت کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ یہی انسانی ترقی کا راز ہے۔ یہی خیال سے حقیقت تک کا سفر ہے۔ مصنف کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ذہن کا وہ چھوٹا سا خیال اب ایک روشن مینار بن کر اس کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ انسان کی لگن اگر خالص اور سچی ہو تو وہ وقت گزرنے کے باوجود ختم نہیں ہوتی، بلکہ ایک دن حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کی یہ کیفیت دراصل ہر اس انسان کی کیفیت ہے جو خواب دیکھتا ہے اور پھر ان خوابوں کو حقیقت بنانے کے لیے محنت کرتا ہے۔

؎ تعبیر چاہتا ہے یہ ہر ایک خواب کی ضد بھی تو دیکھیے دلِ خانہ خراب کی (عاطف ملک)

مصنف صرف جہاز پر سوار ہو کر سمندر عبور نہیں کر رہا بلکہ اپنے ماضی، اپنے خیالات اور اپنے تخیل کی سرحدوں کو بھی عبور کر رہا ہے۔ وہ ماضی کے اس بچے سے دوبارہ مل رہا ہے جو کبھی اسکول کے کمرے میں بیٹھ کر نقشے پر انگلی پھیرتا تھا۔ اب وہی بچہ ایک بالغ شخص بن کر حقیقت کے جہان میں کھڑا ہے۔ مصنف اس بات پر غور کرتا ہے کہ جب اس نے بچپن میں لنکا کو دیکھا تھا تو وہ صرف جغرافیے کے اعتبار سے سوچ رہا تھا۔ مگر اب جب وہ حقیقت میں اس جزیرے کو دیکھ رہا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ انسانی تاریخ اور تہذیب کا حصہ ہے۔

روشن مینار تاریخ کا ایک استعارہ ہے۔ جس طرح مینار سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر روشنی پھیلاتا ہے اور جہازوں کو راستہ دکھاتا ہے، اسی طرح علم، فکر اور شعور انسانوں کے لیے روشنی کا کام کرتے ہیں۔ یہ انسان کو تاریکی سے نکال کر سچائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ مصنف کے لیے یہ مینار صرف ایک عمارت نہیں بلکہ انسانی عقل اور بصیرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بچپن کا وہ خیال جو محض ایک نقطہ تھا، اب ایک روشنی بن چکا ہے۔ انسان کی زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہے۔ ابتدا میں خیالات معمولی لگتے ہیں، مگر وقت، تجربے اور عمل سے وہ بڑی حقیقتوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔

؎ حقیقت سامنے تھی اور حقیقت سے میں غافل تھا مرا دل تیرا جلوہ تھا، ترا جلوہ مرا دل تھا (شوکت تھانوی)

مختصر یہ کہ یہ عبارت انسانی فکر، جستجو، اور زندگی کے سفر کی خوب صورت مثال ہے۔ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ علم، تجربہ اور خواب کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ وہ وقت آنے پر ایک روشن مینار کی طرح راستہ دکھانے لگتے ہیں، اور یہی انسان کے شعور کی اصل روشنی ہے۔

مشقی سوالات

۱ مختصر جواب دیں۔

(الف) مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی صدارت کون کر رہا تھا؟

جواب: مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی صدارت مصنف کر رہا تھا۔ اس میں مینار کے نام پر بحث ہو رہی تھی۔

(ب) ''یادگار'' کا لفظ کیوں خارج کر دیا گیا تھا؟

جواب: لفظ ''یادگار'' کے معانی و مطالب پر بہت بحث ہوئی۔ اسے اس لیے خارج کر دیا گیا کہ اس کے معانی میں موت اور فنا کا تصور پایا جاتا ہے۔

(ج) اہرامِ مصر کے معمار نے کیا فیصلہ کیا؟

جواب: جب اہرامِ مصر کا معمار موقع پر پہنچا تو اس نے صحرا کی وسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اس نے بھربھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرے چمکنے لگے تو اسے خیال آیا کہ اس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بجائے اگر جذب کرے تو کیا اچھا تقابل ہوگا۔ ہوا چلی تو اسے ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اسے طمانیت حاصل نہ ہوئی تو اس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے تو کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائیدار مکان بنا دے۔

(د) قراردادِ پاکستان کی علامت اور عمارت کے حوالے سے کیا دشواری پیش آئی؟

جواب: قراردادِ پاکستان کی علامت اور عمارت کے حوالے سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ قراردادِ پاکستان کو کیا شکل دی جائے: باغ، جھیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار بنایا جائے۔ طویل بحث کے بعد مینار بنانے کا فیصلہ ہوا۔

(ہ) مصنف کی دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت کہاں اور کیسے پوری ہوئی؟

جواب: مصنف کی دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں پوری ہوئی۔ وہ سردار کے ہاں کھانا کھانے گئے تو وہاں موجود مٹی کے مینار پر چڑھے۔ یہ حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے اس کی لپائی کی گئی تھی لیکن اندر سے تاریک اور خستہ تھا۔

۲ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(الف) مینار کی ابتدائی صورت وجود میں آئی:

(i) تاریخی ضرورت کے تحت (ii) ثقافتی ضرورت کے تحت
(iii) دفاعی ضرورت کے تحت (iv) تعمیراتی ضرورت کے تحت

(ب) ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے:

(i) سدِ سکندری (ii) سدِ یاجوج (iii) دیوارِ گریہ (iv) دیوارِ چین

(ج) میں نے اس مینار کو جلوہ گہِ جبریل جانا اور سوچا، بہ الفاظ:

(i) غالبؔ (ii) اقبالؔ (iii) نظیریؔ (iv) حافظؔ

(د) اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے منظر کا حصہ بن جاتے ہیں:

(i) چار مینار (ii) چھے مینار (iii) آٹھ مینار (iv) نو مینار

(ہ) میں نے جیب سے نوٹ نکالا:

(i) پچاس ڈالر کا (ii) پچاس لیرا کا (iii) پچاس یوآن کا (iv) پچاس ریال کا

جوابات

الف	دفاعی ضرورت کے تحت	ب	دیوارِ چین	ج	اقبالؔ	د	آٹھ مینار	ہ	پچاس یوآن کا

۳ سبق ''مینار'' کو مدِنظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

(الف) یہ (مینار) نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

جواب: اس جملے میں مینارِ پاکستان کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ یہ مینار برصغیر کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کی علامت ہے۔ یہ ہمارے نظریاتی دفاع کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارے دین کی سرفرازی کا گواہ ہے۔ یہ ہماری شاندار تاریخ کا نشانِ خیر ہے۔

(ب) جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِ سکندری ہے اور وہی سدِ یاجوج''

جواب: اس جملے میں فلسفیانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ لوگوں کا اتحاد اور صف بندی سب سے بڑی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ جب لوگ شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جائیں تو وہ سدِ سکندری اور سدِ یاجوج سے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔

(ج) دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرت غالبؔ نے بھی ڈھادی تھی۔

جواب: اس جملے میں مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے ایک شعر کو تاریخی دیوارِ چین کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اس میں غالبؔ کے دیوارِ چمن گرانے کی بات ہوئی ہے۔

بر شگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی، مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

(د) میں نے اسے سنگ وخشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔

جواب: اس جملے میں مینارِ پاکستان کی نظریاتی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مصنف بتاتا ہے کہ قراردادِ پاکستان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے مینار بنانے پر اتفاق ہو گیا۔ مصنف کے نزدیک یہ صرف اینٹوں اور پتھروں کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک نئے جہان کی تعمیر اور ایک سہانے خواب کی تعبیر کی نشانی ہے۔

۴ سبق ''مینار'' کے اہم نکات کی روشنی میں خلاصہ تحریر کریں۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ

۵ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

''سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔''

جواب: دیکھیے حصہ تشریحات

متشابہ الفاظ:

ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل وصورت میں کوئی مشابہت ہو لیکن معنی ومفہوم مختلف ہوں۔ مشابہ کی درج ذیل تین صورتیں ہیں:

(الف) ایسے الفاظ جن کا املا اور تلفظ ایک جیسا ہو لیکن معنی مختلف ہوں۔ جیسے:

پَر: پرندے کا پر — پَر: کسی چیز پر (میز پر، چھت پر)

سونا: نیند — سونا: ایک قیمتی دھات جس سے خواتین کے لیے زیور وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

(ب) ایسے الفاظ جن کا اِملا ایک جیسا ہو مگر اعراب اور معنی میں فرق ہو۔ جیسے:

دَم: سانس　　دُم: کسی جانور وغیرہ کی دُم

پَل: لمحہ　　پُل: ندی/نالہ وغیرہ پر سے گزرنے کا راستہ

(ج) ایسے الفاظ جن کی آواز ایک جیسی ہو لیکن اِملا اور معنی میں فرق ہو۔ جیسے:

ارض: زمین　　عرض: چوڑائی/گزارش

سدا: ہمیشہ　　صدا: آواز

٦ روزمرہ زندگی سے درج بالا تینوں صورتوں کی مثالیں تلاش کریں اور ان کی فہرست بنا کر جملوں میں استعمال کریں۔

جواب:

الفاظ	جملے	الفاظ	جملے
فقر	اسلامی فقر بہت بڑی نعمت ہے۔	صَرف	ہم نے علمِ صَرف سیکھا۔
فکر	فکر انسان کو بوڑھا کر دیتی ہے۔	صِرف	میرے پاس صرف ایک کتاب ہے۔
اثر	بچوں پر والدین کی نصیحتوں کا اثر ہوتا ہے۔	کان	میرے کان میں درد ہے۔
عصر	ہم نے عصر کی نماز پڑھی۔	کان	ہم نے نمک کی کان کی سیر کی۔

سبق سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مینارِ قرارداد پاکستان کی مجلسِ تعمیر میں مصنف کی حیثیت تھی:

(الف) رکن　(ب) مہمان　(ج) صدر　(د) معمار　(ج)

2۔ برنارڈ شا کے مطابق جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی مل جائیں اسے کہتے ہیں:

(الف) خوش بختی　(ب) سکون　(ج) کامیابی　(د) معراج　(الف)

3۔ مصنف نے مینار کو اقبالؒ کے الفاظ میں قرار دیا ہے:

(الف) جلوہ گاہِ حق　(ب) جلوہ گہِ جبرئیل　(ج) پیکرِ تقدیر　(د) نشانِ منزل　(ب)

4۔ مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں مصنف وہاں پہنچے تھے:

(الف) سرکاری حکم پر　(ب) تفریحاً　(ج) تعلقِ خاطر کی بنا پر　(د) مشورہ دینے　(ج)

5۔ مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں مصنف نے چوکیدار سے پوچھا تو اس نے کہا یہ بن رہی ہے:

(الف) عمارت　(ب) مسجد　(ج) یادگار　(د) مینار　(ج)

6۔ مصنف نے "یادگار" کا لفظ منصوبے سے خارج کر دیا کیوں کہ اس کا تعلق تھا:

(الف) ماضی سے　(ب) موت اور فنا سے　(ج) تاریخ سے　(د) سیاست سے　(ب)

7۔ اہرامِ مصر کے معمار نے ریت کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت ہونی چاہیے:

(الف) نرم　(ب) بلند　(ج) وسیع　(د) سنگلاخ　(د)

8۔ اہرامِ مصر کے معمار کا مقصد تھا کہ وہ موت کو بنا دے:

(الف) جلیل اور پائیدار مکان　(ب) عبرت کا نشان　(ج) داستانِ پارینہ　(د) ایک قصہ　(الف)

9۔ اقبال پارک کے جنوب میں واقع ہے:

(الف) محلہ اور جھگیاں　(ب) قلعہ، گوردوارہ اور مسجد　(ج) دریائے راوی　(د) جہانگیر کا مقبرہ　(ب)

10۔ سطحِ زمین سے اقبال پارک پر حاوی ہیں:

(الف) چار سفید گنبد　(ب) تین سفید بیضوی نوک دار گنبد　(ج) پانچ مینار　(د) ایک بڑا گنبد　(ب)

11۔ مینارِ قرارداد کے ساتھ اور کتنے مینار منظر کا حصہ بنتے ہیں:
(الف) چھ (ب) سات (ج) آٹھ (د) نو (ج)

12۔ مینار کی ابتدائی صورت وجود میں آئی:
(الف) مذہبی ضرورت کے تحت (ب) دفاعی ضرورت کے تحت
(ج) خوشی کے اظہار کے لیے (د) فنِ تعمیر کے لیے (ب)

13۔ دفاعی میناروں کو سب سے زیادہ استعمال کیا:
(الف) اہلِ روم اور بازنطینیوں نے (ب) عربوں نے (ج) چینیوں نے (د) مغلوں نے (الف)

14۔ قدیم میناروں کے پست ہونے کی وجہ تھی:
(الف) تعمیراتی مہارت کی کمی (ب) آبادی اور جغرافیے کا علم کم ہونا (ج) پتھروں کی قلت (د) مالی مسائل (ب)

15۔ دیوارِ چین کے بارے میں مصنف کا مشاہدہ ہے کہ اب یہ کام آتی ہے:
(الف) حفاظت کے (ب) سرحد کے (ج) دکھانے کے (د) تجارت کے (ج)

16۔ مصنف کے مطابق آج دفاع کا کام لیا جاتا ہے:
(الف) دیواروں سے (ب) دیوانوں سے (ج) میناروں سے (د) توپوں سے (ب)

17۔ مصنف نے دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت پوری کی:
(الف) پنجاب میں (ب) یورپ میں (ج) چین میں (د) قبائلی علاقے میں (د)

18۔ قبائلی علاقے کے مٹی کے مینار میں مصنف کو کون سا پیوند لگا نظر آیا:
(الف) بیسویں صدی کا گانا (ب) جدید اسلحہ (ج) بجلی کی روشنی (د) ریڈیو سیٹ (الف)

19۔ سمندر کے کنارے نشانِ راہ کے طور پر بنے میناروں کو کہتے ہیں:
(الف) دفاعی مینار (ب) روشن مینار (ج) سمندری مینار (د) راہبر مینار (ب)

20۔ روشن مینار کے رکھوالے کی زندگی عبارت ہوتی تھی:
(الف) آرام اور سکون سے (ب) دولت اور شہرت سے (ج) جفاکشی اور تنہائی سے (د) سیر و تفریح سے (ج)

21۔ جدید دور میں روشن میناروں کی روشنی کا ذریعہ ہے:
(الف) تیل (ب) گیس اور بجلی (ج) موم بتیاں (د) لکڑی (ب)

22۔ مصنف نے ایشیا کے نقشے میں خشکی کا آخری قطرہ قرار دیا ہے:
(الف) بھارت کو (ب) چین کو (ج) پاکستان کو (د) لنکا کے جزیرے کو (د)

23۔ سبق "مینار" کے مصنف ہیں:
(الف) پطرس بخاری (ب) مختار مسعود (ج) مشتاق یوسفی (د) ابنِ انشاء (ب)

24۔ اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں واقع ہے:
(الف) وسعت اور ہریالی (ب) آبادی (ج) بازار (د) کھیت (الف)

25۔ مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو ٹوکنے والے چوکیدار کو کہاں سے نکالا تھا:
(الف) قلعہ سے (ب) سکول سے (ج) آثارِ قدیمہ سے (د) لائبریری سے (ج)

26۔ منصوبے سے "یادگار" کا لفظ ہٹانے کے بعد میز پر کیا پھیلایا گیا:
(الف) اخبارات (ب) مینارِ قرارداد کے نقشے (ج) تاریخی مسودات (د) نقشے اور تصاویر (ب)

27۔ اہرامِ مصر کے معمار کو پریشان کیا:
(الف) ریت کے ذرّوں نے (ب) موسم نے (ج) صحرا کی وسعت نے (د) حکمران نے (ج)

28۔ اہرام کے معمار نے اپنی عمارت کو عطا کیے:
(الف) گولائی اور دائرے (ب) نوک اور زاویے (ج) چوکور شکل (د) اونچائی (ب)

29۔ مینارِ قراردادِ پاکستان کی تعمیر میں کامیابی کا سہرا سجا:
(الف) مینار کے سر (ب) نقشے کے سر (ج) باغ کے سر (د) یادگار کے سر (الف)

30۔ سطحِ زمین سے اقبال پارک پر کتنے سرخ پہلو دار مینار حاوی ہیں:
(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ (ج)

31۔ دریائے راوی کس منظر کا حصہ ہے:
(الف) مینارِ پاکستان (ب) شاہی قلعہ (ج) مقبرۂ جہانگیر (د) تمام درست (د)

32۔ قراردادِ پاکستان منظور ہوئی:
(الف) 1940ء میں (ب) 1947ء میں (ج) 1930ء میں (د) 1935ء میں (الف)

33۔ سدِ سکندری کا حوالہ کس چیز کے لیے استعمال ہوا:
(الف) دیوار (ب) لوگ (ج) پہاڑ (د) مینار (ب)

34۔ مصنف نے ''جلوہ گہ جبرئیل'' کہا تھا:
(الف) قرارداد کو (ب) پاکستان کو (ج) مینار کو (د) آزادی کو (ج)

35۔ دیوارِ چین کے بارے میں مصنف کا خیال ہے کہ یہ اب ہے:
(الف) ہاتھی کا دانت (ب) حفاظت کا ذریعہ (ج) تاریخی ورثہ (د) عجوبہ (الف)

36۔ مصنف کی نظر میں مینارِ قراردادِ پاکستان علامت ہے:
(الف) نظریاتی دفاع کی (ب) تحریکِ آزادی کی (ج) دین کی سرفرازی کی (د) تمام درست (د)

37۔ سبق ''مینار'' لیا گیا ہے:
(الف) سفرِ نصیب سے (ب) آوازِ دوست سے (ج) کاروانِ وجود سے (د) لوحِ ایام سے (ب)

38۔ چائے کی پیالیوں کے بعد بات نکلی:
(الف) اہرامِ مصر کی طرف (ب) مینار کی تاریخ کی طرف (ج) سیاست کی طرف (د) تعلیم کی طرف (الف)

39۔ اہرام کے معمار نے کیسے پائیدار مکان بنانے کا سوچا:
(الف) زندگی کو (ب) موت کو (ج) یاد کو (د) تاریخ کو (ب)

40۔ اقبال پارک کے مغرب میں واقع ہے:
(الف) گندا نالا (ب) مسجد (ج) مینار (د) پارک (الف)

41۔ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر میں مصنف کے ذہن میں گردش کر رہا تھا:
(الف) تعمیراتی نقشہ (ب) برنارڈ شا کا مقولہ (ج) بجٹ کا تخمینہ (د) موسمِ سرما (ب)

42۔ برنارڈ شا کے نزدیک خوش بختی کا مطلب ہے:
(الف) دولت کا حصول (ب) سکونِ قلب (ج) شہرت کی بلندی (د) خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کا ملاپ (د)

43۔ مصنف اپنے عہدے کو سمجھتے تھے:
(الف) سنگ و خشت کی تعمیر (ب) جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر (ج) حکومتی ذمہ داری (د) اعزازی کام (ب)

44۔ مینار کی بنیادیں بھرنے کے وقت وہاں کا منظر تھا:
(الف) ہریالی کا (ب) ہجوم کا (ج) ملبے کا (د) خاموشی کا (ج)

45۔ چوکیدار نے مصنف کو مینار کے قریب جانے سے منع کیا تھا کیوں کہ:
(الف) وہ سخت مزاج تھا (ب) حکومتی حکم تھا (ج) کام جاری تھا (د) وہاں جانا منع تھا (الف)

46۔ مصنف نے جس چوکیدار کا ذکر کیا ہے وہ یاد دلاتا ہے:
(الف) پہرے دار کی (ب) مولوی عبدالحق کے عہد کے چوکیدار کی (ج) کسی فوجی کی (د) کسی غلام کی (ب)

47۔ مجلس میں مصنف نے سب سے پہلے تجویز دی:
(الف) تعمیر شروع کرنے کی (ب) چائے پینے کی (ج) یادگار کا لفظ بدلنے کی (د) نقشہ بدلنے کی (ج)

48۔ یادگار کا عام تصور جڑا ہوا ہے:
(الف) خوشی سے (ب) موت اور فنا سے (ج) کامیابی سے (د) ترقی سے (ب)

49۔ نقشے اور چائے کی پیالیوں کے بعد گفت گو کا موضوع بنا:
(الف) اہرامِ مصر کا معمار (ب) مینار کی اونچائی (ج) لاگتِ تعمیر (د) تعمیر کا معیار (الف)

50۔ اہرامِ مصر کے معمار نے ریت کی نرمی دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت ہونی چاہیے:
(الف) لچکدار (ب) سنگلاخ (ج) وسیع (د) بہت بلند (ب)

51۔ اہرام کے معمار نے جب ریت کے ذروں کو چمکتے دیکھا تو فیصلہ کیا کہ عمارت کو ہونا چاہیے:
(الف) منعکس کرنے والی (ب) سادہ (ج) روشن کرنے والی (د) جذب کرنے والی (د)

52۔ اہرام کے معمار نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کیے جب اس نے دیکھا:
(الف) پہاڑوں کو (ب) ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے (ج) دریا کو (د) ہوا کو (ب)

53۔ مینار کی تعمیر کے لیے پیش کردہ فہرست میں شامل تھا:
(الف) مسجد (ب) عجائب گھر (ج) درس گاہ (د) تمام درست (د)

54۔ مینارِ پاکستان کے جنوب میں واقع ہے:
(الف) گندا نالا (ب) ہریالی (ج) قلعہ اور مسجدِ عالمگیری (د) دریائے راوی (ج)

55۔ مینارِ پاکستان کے مغرب میں واقع ہے:
(الف) قلعہ (ب) باغ (ج) گندا نالا اور کچھ جھگیاں (د) کتاب خانہ (ج)

56۔ مینار کی منفرد حیثیت یہ ہے کہ:
(الف) یہ قرارداد کی یاد میں بنایا گیا (ب) یہ سب سے اونچا ہے (ج) یہ سنگِ مرمر کا ہے (د) یہ قلعہ کے پاس ہے (الف)

57۔ دفاعی میناروں کی ابتدا ہوئی:
(الف) میسوپوٹیمیا سے (ب) روم سے (ج) چین سے (د) فرانس سے (الف)

58۔ روم اور بازنطینی دور میں مینار بنے ہوئے تھے:
(الف) ہر بڑی حویلی میں (ب) صرف شہر کی فصیل پر (ج) پہاڑوں پر (د) میدانوں میں (الف)

59۔ قدیم دور میں دفاعی میناروں کے پست ہونے کا سبب تھا:
(الف) آبادی کی قلت (ب) پتھر کی کمی (ج) فنِ حرب کا پست درجہ (د) حکومتی احکامات (ج)

60۔ دیوارِ چین کے دفاعی مینار اب کام آتے ہیں:
(الف) تجارت کے (ب) دکھانے کے (ج) دفاع کے (د) رہنمائی کے (ج)

61۔ مصنف نے ''دیوارِ چین'' اور ''دیوارِ چمن'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے:
(الف) علامہ اقبال کا (ب) عبدالحق کا (ج) غالب کا (د) فیض کا (ج)

62۔ دیوارِ چین کے مینار پر چڑھنے کا مقابلہ جیتا:
(الف) پیسوں کے لالچ میں (ب) اپنی جوانی کے دم پر (ج) ساتھیوں کے ساتھ (د) کوئی نہ جیت سکا (د)

63۔ مصنف نے مٹی کے مینار پر چڑھنے کی حسرت پوری کی:
(الف) قبائلی علاقے کے ایک سردار کے ہاں (ب) گاؤں میں (ج) شہر میں (د) سرحد پر (الف)

64۔ قبائلی علاقے کے مٹی کے مینار میں بج رہا تھا:
(الف) پرانا گانا (ب) بیسویں صدی کا گانا (ج) ریڈیو پاکستان (د) مقامی موسیقی (ب)

65۔ سمندر کنارے روشن میناروں کا مقصد ہوتا ہے:
(الف) دفاع (ب) تفریح (ج) نشانِ راہ (د) تحقیق (ج)

66۔ روشن مینار کے رکھوالے کی زندگی عبارت ہے:
(الف) جفاکشی اور تنہائی سے (ب) آرام اور آسائش سے (ج) دولت اور شہرت سے (د) سفر اور سیاحت سے (الف)

67۔ جدید دور میں روشن میناروں کی روشنی کا ذریعہ ہے:
(الف) تیل (ب) گیس اور بجلی (ج) کوئلہ (د) لکڑی (ب)

68۔ روشن میناروں کے رکھوالوں کی نوکری آچکی ہے:
(الف) تخفیف میں (ب) تکمیل میں (ج) تشہیر میں (د) ترتیب میں (الف)

69۔ مصنف نے خشکی کا آخری قطرہ قرار دیا ہے:
(الف) پاکستان کو (ب) سائبیریا کو (ج) لنکا کے جزیرے کو (د) چین کو (ج)

70۔ ''مینار'' سبق کے مصنف کا نام ہے:
(الف) مختار مسعود (ب) ابنِ انشاء (ج) مشتاق یوسفی (د) پطرس بخاری (الف)

71۔ مینارِ پاکستان کی تعمیر کس کی یاد میں کی گئی:
(الف) قیامِ پاکستان (ب) قراردادِ پاکستان (ج) جنگِ آزادی (د) تحریکِ پاکستان (ب)

72۔ مینار کے مصنف نے کس مقام پر مینارِ قرارداد کا ذکر کیا ہے:
(الف) اقبال پارک لاہور (ب) مزارِ قائد کراچی (ج) اسلام آباد (د) راولپنڈی (الف)

73۔ مینار کی تعمیر کے وقت میز کے اردگرد کیا پھیلا ہوا تھا:
(الف) کاغذات (ب) لغات (ج) نقشے (د) کتابیں (ج)

74۔ اہرامِ مصر کے معمار نے زندگی کو کیا قرار دیا:
(الف) ایک قلیل وقفہ (ب) ایک طویل سفر (ج) ایک آزمائش (د) ایک خواب (الف)

75۔ مینار کی صورت کے لیے ماہرین کا متفق ہونا:
(الف) ممکن تھا (ب) ناممکن تھا (ج) ضروری تھا (د) لازمی تھا (ب)

76۔ سطحِ زمین سے مینارِ پاکستان پر حاوی ہیں:
(الف) چار پہلو دار مینار (ب) سات گنبد (ج) پانچ مینار (د) تین بیضوی گنبد (د)

77۔ پہلی مرتبہ دنیا میں کسی قرارداد کو منظور کرنے کی یاد منائی گئی:
(الف) مینار بنا کر (ب) جلسہ کر کے (ج) چھٹی دے کر (د) عمارت بنا کر (الف)

78۔ دفاعی میناروں کا استعمال سب سے زیادہ کیا:
(الف) اہلِ روم نے (ب) یونانیوں نے (ج) عثمانیوں نے (د) مغلوں نے (الف)

79۔ چین کے دورے کے وقت مصنف نے دیوارِ چین کے ساتھ دیکھے:
(الف) وہاں کے قلعے (ب) اہلِ دیوار (ج) وہاں کے انجینئر (د) وہاں کے محلات (ب)

80۔ مصنف کے مطابق سدِ سکندری یا سدِ یاجوج وہی ہے جہاں لوگ:
(الف) شانہ بشانہ ہوں (ب) الگ الگ ہوں (ج) لڑتے ہوں (د) بھاگتے ہوں (الف)

81۔ دیوارِ چین کے دورے کے وقت مصنف نے کتنے یوآن کا نوٹ نکالا:
(الف) 10 (ب) 20 (ج) 50 (د) 100 (ج)

82۔ نوجوانوں کے بارے میں مصنف کا مشاہدہ تھا کہ وہ دوڑ میں شریک ہیں:
(الف) دوستی کی (ب) زرِ مبادلہ کی (ج) طاقت کی (د) وقت کی (ب)

83۔ ''سدِ سکندر اور رنگ نشیں بیٹھ گئی'' شعر ہے:
(الف) ناظم کا (ب) غالب کا (ج) اقبال کا (د) میر کا (الف)

84۔ ''دیوارِ چمن'' کس شاعر کے شعر سے لیا گیا ہے:
(الف) داغ (ب) ذوق (ج) غالب (د) مومن (ج)

85۔ قبائلی علاقے کے مٹی کے مینار کا اندرونی حصہ تھا:
(الف) روشن (ب) تاریک اور خستہ (ج) صاف ستھرا (د) کشادہ (ب)

86۔ مٹی کے مینار میں روشنی آتی تھی:
(الف) دروازے سے (ب) کھڑکی سے (ج) خاک ریز سے (د) چھت سے (ج)

87۔ مٹی کے مینار کی شہ نشین میں پڑا تھا:
(الف) اسلحہ (ب) ٹوٹی کرسی اور کارتوس (ج) راشن (د) کتابیں (ب)

88۔ روشن مینار کے رکھوالے کی نوکری ختم ہونے سے مصنف نے نتیجہ نکالا کہ ترقی نے بند کر دیں:
(الف) انفرادی صفات کے اظہار کی راہیں (ب) سڑکیں (ج) سہولتیں (د) ترقی کی راہیں (الف)

89۔ ایشیا کے نقشے پر خشکی کے آخری قطرے کے طور پر ابھرا:
(الف) لنکا (ب) پاکستان (ج) ہندوستان (د) سائبیریا (الف)

90۔ مصنف لنکا کے ساحل پر ایک روشن مینار دیکھ کر محسوس کر رہے تھے:
(الف) خوشی (ب) حیرت (ج) ایک نقطہ جو مینار بن چکا تھا (د) اداسی (ج)

91۔ مصنف جس مجلس میں بیٹھے تھے اس کا تعلق تھا:
(الف) ادب سے (ب) مینارِ پاکستان کی تعمیر سے (ج) سیاست سے (د) تعلیم سے (ب)

92۔ اہرامِ مصر کے معمار کو طمانیت حاصل ہوئی جب اس نے فیصلہ کیا:
(الف) بلند عمارت کا (ب) ڈیزائن کا (ج) ریت کے استعمال کا (د) موت کو پائیدار بنانے کا (د)

93۔ عجائب عالم کی فہرست میں اضافہ ہوا:
(الف) اہرامِ مصر سے (ب) مینارِ پاکستان سے (ج) دیوارِ چین سے (د) محل سے (الف)

94۔ دفاعی مینار سب سے پہلے استعمال کیے گئے:
(الف) جدید دور میں (ب) میسوپوٹیمیا میں (ج) موجودہ دور میں (د) صلیبی جنگوں میں (ب)

95۔ دیوارِ چین کے میناروں کا مقصد تھا:
(الف) دکھاوا (ب) رہنمائی (ج) دفاع (د) تجارت (ج)

96۔ ''دیوارِ چمن'' کس کے کلام میں ڈھائی گئی تھی:
(الف) غالب (ب) اقبال (ج) داغ (د) میر (الف)

97۔ مٹی کے مینار کا بیرونی حصہ تھا:
(الف) پختہ (ب) لپائی کیا ہوا (ج) خستہ (د) ٹوٹا ہوا (ب)

98۔ روشن میناروں میں روشنی ہوتی ہے:
(الف) دن کو (ب) کبھی کبھی (ج) رات کو (د) ہر وقت (ج)

99۔ سائبیریا سے لنکا تک پھیلی ہوئی ہے:
(الف) سمندری حدود (ب) خشکی (ج) ہوا (د) فضا (ب)

100۔ لنکا کے جزیرے کی جنوبی حد تھی:
(الف) نقشے میں زمین کی آخری حد (ب) پہلی حد (ج) درمیانی حد (د) غیر اہم (الف)

101۔ طالب علم نے ایشیا کو دیکھا:
(الف) تاریخ کی رو سے (ب) جغرافیے کی رو سے (ج) کتاب کی رو سے (د) نقشے کی رو سے (ب)

102۔ مصنف کھڑے تھے:
(الف) جہاز کے عرشے پر (ب) ساحل پر (ج) مینار پر (د) میدان میں (الف)

103۔ مینارِ پاکستان کے مصنف کے نزدیک یادگار و نشانِ خیر ہے جو:
(الف) تاریخ میں رہے (ب) زندگی میں رہے (ج) مرنے کے بعد باقی رہے (د) ذہن میں رہے (ج)

104۔ مینار پر چڑھنے کے مقابلے میں سب سے پہلے کون پہنچا:
(الف) مصنف (ب) کوئی نہ پہنچ سکا (ج) ساتھی (د) نوجوان (ب)

105۔ مصنف کو مٹی کے مینار میں بجتا ملا:
(الف) ٹیلی وژن (ب) ریڈیو (ج) ٹیپ (د) فون (ب)

106۔ روشن میناروں کی روشنی اب ہوتی ہے:
(الف) خودکار (ب) دستی (ج) بند (د) کبھی کبھی (الف)

107۔ لنکا جزیرے کی شکل نقشے میں محسوس ہوئی:
(الف) آنکھ سے گرتا خشکی کا قطرہ (ب) ایک چھوٹا دائرہ (ج) ایک ستارہ (د) ایک لکیر (الف)

108۔ جغرافیے کی رو سے ایشیا پھیلا ہوا تھا:
(الف) چین تک (ب) پاکستان تک (ج) سائبیریا تک (د) لنکا تک (ج)

109۔ مجلس میں کارروائی کی پہلی شق تھی:
(الف) غور طلب (ب) غیر اہم (ج) طویل (د) مختصر (الف)

110۔ مصنف کی تحریر میں جھلکتی ہے:
(الف) تفریح (ب) سنجیدگی اور ادبی ذوق (ج) شکایت (د) مایوسی (ب)

111۔ مینار کی تعمیر کے بارے میں مصنف کا نظریہ تھا کہ یہ تعمیرِ جہانِ نو کے ساتھ ہے:
(الف) ماضی کی یاد (ب) حکومتی ساکھ (ج) افکارِ نو کی تعبیر (د) فنی مہارت (ج)

112۔ مصنف نے مینار کو کس کا گواہ قرار دیا ہے:
(الف) ماضی کا (ب) دین کی سرفرازی کا (ج) سیاست کا (د) جغرافیے کا (ب)

113۔ تاریخ میں مینار کی پہلی صورت وجود میں آئی:
(الف) مذہبی (ب) تجارتی (ج) علامتی (د) دفاعی (د)

114۔ وسطِ چین اور جنوبی فرانس کی فصیلیں یادگار ہیں:
(الف) قدیم جنگوں کی (ب) فنِ حرب کی بلندی کی (ج) تجارتی ترقی کی (د) مذہبی عروج کی (ب)

115۔ دیوارِ چین کو مصنف نے تشبیہ دی ہے:
(الف) ہاتھی کے دانت سے (ب) لوہے کی زنجیر سے (ج) پتھر کی دیوار سے (د) اونچی فصیل سے (الف)

116۔ ''میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا'' اس شعر میں ''قصرِ فریدوں'' سے مراد ہے:
(الف) قلعہ (ب) عمارت (ج) یادگار (د) محل (د)

117۔ قبائلی علاقے میں مصنف نے مہمان نوازی کا حق استعمال کیا:
(الف) ایک سردار کے ہاں (ب) مسجد میں (ج) ہوٹل میں (د) سرائے میں (الف)

118۔ مینارِ قراردادِ پاکستان کو بنانے کا مقصد تھا:
(الف) تفریح (ب) یادِ خیر (ج) دفاع (د) رہنمائی (ب)

119۔ جدید ٹیکنالوجی نے روشن میناروں کے رکھوالے کو بنا دیا ہے:
(الف) بے روزگار (ب) امیر (ج) مصروف (د) افسر (الف)

120۔ مصنف نے جب لنکا کے جزیرے کو دیکھا تو اسے گمان ہوا:
(الف) ایک خوب صورت باغ (ب) ایک چھوٹا سا پہاڑ (ج) خشکی کا ٹکڑا (د) قدرت کی آنکھ کا قطرہ (د)

121۔ تاریخ کی رو سے یہ کہنا کہ ''ایشیا میرے قدموں میں ہے'' مصنف کے نزدیک تھا:
(الف) درست (ب) نادرست (ج) مبالغہ آرائی (د) حقیقت (ب)

122۔ مینارِ قراردادِ پاکستان کو مصنف نے اپنی زندگی کے کس دور سے جوڑا:
(الف) بچپن (ب) جوانی (ج) تحریک (د) بڑھاپا (ج)